UNIVERSAL LIBRARY
OU_188641
UNIVERSAL LIBRARY

1975 OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۵ / ا   Accession No. ۱۳۷۲۱

Author رقعات - ل   ادب

Title رقعات

This book should be returned on or before the date last marked below.

رضا شاہ

محمد اسد بے

مترجمہ

غلام محی الدین بی۔ اے

ناشر

ہاشمی بک ڈپو۔ لاہور

پہلا ایڈیشن — کتاب خانہ — قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ

عابد بلڈنگ حیدر آباد

مندرجات

شذرہ	۷
تمہید	۱۰
گہوارہ	۱۴
طہران میں	۲۱
چنگاری	۲۹
طہران پر یلغار	۳۶
بریگیڈیر کا دورِ حکومت	۴۷
جمہوریت یا شاہیت	۵۶
دورِ پہلوی	۷۶
آہنی گھوڑا	۸۷
نئی سلطنت	۹۱
تیمور تاش	۹۹
مستقبل کا راستہ	۱۰۶
اہم حوادث	۱۱۰

”داستان ہے مشرقِ قریب کی
ایک حیرت انگیز شخصیت کی!“

شذرہ

رضا شاہ پہلوی کی زندگی کے حالات جدید ایران کی تاریخ ہے۔ صدیوں تک رضا شاہ کے ملک کو فارس کا نام دیا گیا۔ تہذیب و تمدن کی قدامت کے لحاظ سے ایران یونانِ قدیم کا ہم پلہ ہے۔ ایران جدید کا رقبہ ۶۲۸۰۰۰ مربع میل ہے۔ اِس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے ایران کا صدر مقام طہران ہے ایران جو ایک زمانہ میں بہت طاقتور ملک تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں اندرونی سازشوں اور بیرونی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں ایک انقلاب کے ذریعہ ایران کو مشروطہ (آئینی حکومت) نصیب ہوا۔ ۱۹۰۷ء میں اینگلو روسی معاہدہ کی رو سے شمالی ایران پر روس اور جنوبی ایران پر برطانیہ

کا تسلط ہو گیا۔ پچھلی بڑی لڑائی (۱۹۱۴ء و ۱۹۱۸ء) میں ایران غیر جانب دار تھا۔ لیکن اس کے بہت سے حصّوں پر برطانیہ، روس، ترکی اور جرمنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں روس کے کمیونسٹ انقلاب کے بعد ٹراٹسکی (تراز کی)، کا سب سے پہلا کام یہ تھا۔ کہ اُس نے ۱۹۰۷ء کے اینگلو روسی معاہدہ کو منسوخ کرتے ہوئے ایران میں تمام روسی مراعات کو چھوڑ دیا۔ ۱۹۱۸ء میں برطانوی فوجوں نے ایران کو خالی کر دیا۔ اس موقعہ پر رضا خاں نے ایران کی قومی تحریک کی رہنمائی کی۔ رضا خاں ۱۹۲۰ء میں وزیر جنگ تھا۔ دو سال بعد وہ وزیرِ اعظم تھا۔ شاہِ ایران کو جلاوطن کرنے کے بعد وہ سارے ایران کا حکمران تھا۔ اِس نے فوجوں کی از سرِ نو تنظیم کی۔ ایران کے طول و عرض میں امن و امان قائم کیا۔ وطنیت اور جدیدی تحریکوں کو فروغ دیا۔ ۱۹۲۵ء میں پارلیمنٹ (مجلس شورائے ملی) نے اِسے تاج پیش کیا تھا۔ قاچار خاندان کے آخری حکمران کو معزول کرنے کے بعد وہ ایران کا شہنشاہ تھا۔ رضا شاہ پہلوی نے ملاؤں کے اثر و رسوخ کو توڑا۔ ایران کو مضبوط اور مستحکم بنایا۔ صنعت و حرفت کی طرف توجہ کی۔ ترکی، روس اور افغانستان سے دوستانہ معاہدے کئے۔ ۱۹۳۷ء میں سعد آباد کے میثاق کی رو سے ترکی، ایران، عراق اور افغانستان میں امداد باہمی کا ایک معاہدہ ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں حکومت نے غیر ملکی حکومتوں سے درخواست کی۔ کہ فارس (پرشیا) کی جگہ ایران کا لفظ استعمال کیا جائے۔ ۱۹۳۹ء

میں ولیعہد ایران نے شاہ مصر کی بہن سے شادی کی۔

۱۹۰۶ء کا نظام حکومت اس وقت تک رائج ہے۔ مجلس شورائے ملی کے ارکان کا انتخاب ہر دو سال کے بعد ہوتا ہے۔ اس وقت ایران کے پانچ ہزار اسکولوں میں تین لاکھ طالب علم ہیں۔ فوجی تربیت جبری ہے۔ ایران کی غیر ملکی تجارت روس (چالیس فی صدی) برطانیہ، امریکہ اور ہندوستان سے ہوتی ہے۔ حکومتِ ایران کے مالیہ کا بہت بڑا ذریعہ اینگلو ایرانی آئیل کمپنی ہے۔

جدید ایران کی کہانی رضا شاہ پہلوی کی داستان ہے۔ اعلیٰ حضرت ایران جدید کے بانی ہیں۔ صدیوں کے جمود کے بعد ایران میں جوش و خروش دکھائی دیتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب مشہور مصنف محمد اسد بے کی انگریزی زبان میں لکھی ہوئی کتاب "رضا شاہ" سے اخذ تلمیض اور ترجمہ ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے اس امر کی انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ مصنف کے اصلی خیالات کو برقرار رکھا جائے۔

پبلشرز

تمہید

جب انیسویں صدی میں یورپ کے کاروباری سامراج نے ایران کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مغربی قوموں کو ایران پر غلبہ حاصل کرنے میں زیادہ دقت نہ کرنی پڑی۔ شاہ ایران کا ہاتھ ہر وقت غیر ملکیوں سے بخشش لینے کے لئے بڑھا رہتا۔ زر و دولت کے معاوضہ میں یورپی سوداگروں کو شہر اور صوبے دئے جاتے۔ ناصر الدین شاہ نے بنکوں کے کاروبار کو یورپی لوگوں کے حوالے کر دیا۔ اس نے روس کو بحیرہ خزر میں حق ماہی گیری دیا۔ اور برطانیہ کو ٹیلیگراف کمپنی بنانے کی اجازت دی۔ اس نے غیر ملکوں کی سیر و سیاحت پر بہت زیادہ دولت صرف کی۔ ۱۸۹۶ء میں ناصر الدین شاہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد

مظفر الدین شاہ نے یورپی ملکوں کی سیر و تفریح کے لئے مزید قرض لیا۔ اپنی حکومت کے خالی خزانوں کو پُر کرنے کیلئے اس نے انگریزوں اور روسیوں کو مزید تجارتی مراعات دیے۔ مظفر الدین اور اس کا وزیر رعایا کا خون چوسنے میں متحد تھے۔ علاوہ ازیں قاچاری خاندان کے شہزادوں کا ٹڈی دل گلستانِ ایران کو ویران کرنے میں مصروف تھا۔

بیسویں صدی کے تیسرے قرن میں جب رضا شاہ پہلوی نے عنانِ حکومت سنبھالی تو ایران ایک فروخت شدہ ملک اور نیلام شدہ ملت تھی۔ تاج کے ہیروں سے تیل کے چشموں تک سب کچھ فروخت ہو چکا تھا۔ لیکن رضا شاہ پہلوی نے ایران کی تقدیر بدل دی۔ مختلف قبائل کا ملک ایک متحدہ ملت کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایرانی سپاہیوں کی جگہ اب باوردی اور اشارۂ ابرو کے منتظر سپاہی دکھائی دیتے ہیں۔ چند سالوں میں پکی سڑکوں نے ایک صوبے کو دوسرے صوبے سے ملحق کر دیا ہے۔ خلیج فارس کو بحیرۂ خزر کے ساتھ ریلوے لائن کے ذریعہ ملایا جا رہا ہے۔ ان ذرائع رسل و رسائل کی وجہ سے مرکزی حکومت بہت مضبوط ہو رہی ہے۔ اسکولوں، ہسپتالوں اور ریڈیو اسٹیشنوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ جدید ایران آزاد اور خود مختار ہے۔ یہ سب تبدیلیاں ایک مرد واحد کی ہمت کا نتیجہ ہیں! رضا شاہ پہلوی! رضا شاہ پہلوی کی شخصیت روس کے پیٹر اعظم سے ملتی جلتی ہے۔!

صدیوں تک ایران نے اس امر کی کوشش کی کہ بحیرہ خزر کے نواحی علاقوں کے

باشندوں کو تہذیب و تمدّن میں اپنا رفیق بنائے۔ لیکن یہ آرزو دورِ پہلوی میں پوری ہو سکی ۔ آج رستہ آباد میں ایک بڑا اسکول ہے ۔ جہاں ترکمانوں کے ہزاروں توانا صحت مند لڑکے تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ خانہ بدوش قبائل کے بچے یورپی انداز میں زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ بحیرہ خزر میں بندر شاہ کی تعمیر سے ایران کی تجارت میں حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے ۔ ماژندران روس اور ترکستان کا سارا مال یہاں سے ریل گاڑی کے ذریعہ مشرقی ایشیا اور مغربی افریقہ کو بھیجا جائے گا ۔ بندر شاہ کے بازار حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ۔ بندر شاہ کی افتتاح کے لئے خود اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی [illegible] ان سے تشریف لائے ۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر ازمنۂ وسطیٰ کے ایران نے ایرانِ جدید کے خلاف بغاوت کرنے کی آخری کوشش کی ۔ لیکن رضا شاہ کے حسنِ انتظام نے اس آخری بغاوت کو مٹا دیا ۔

رضا شاہ کون ہے ؟ وہ کہاں سے آیا ؟ اس کے آبا و اجداد کون ہیں ؟ کن حوادث نے اس کی تقدیر کو تراشا ؟ وہ اپنے ملک کا حکمران اور مصلح کیسے بن گیا ؟

رضا شاہ پہلوی کے اعزاز میں ایک دعوت دی گئی تھی ۔ اس میں ایک شاعر نے شاہ کے قصیدہ میں بتایا کہ پہلوی ، شاہ دارا کی نسل سے ہے ۔ اس طرح اس ایرانی شاعر نے قدیم اور جدید ایران کو ملا دیا ۔ ازاں بعد اس نظریہ کو سرکاری تائید حاصل ہو گئی ۔ ۔ ۔ اس [illegible] مثال جس سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ ایران آج بھی شاعروں اور داستان

گوؤں کا ملک ہے۔ ریلوے، ہوائی جہازوں، اور ریڈیو اسٹیشنوں کے ہوتے ہوئے بھی ایران ایک ایسا ملک ہے۔ جہاں ایک عین مشاہدہ سے کسی افسانہ کو زیادہ حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ایران آج بھی ایک ایسا ملک ہے۔ جسے دو ہزار سال پہلے کے واقعات تو یاد ہیں۔ لیکن اسے چند قرنوں کے حوادث کا پتہ نہیں۔ ایرانیوں کے شاعرانہ ذہن کے لئے حقیقت سے زیادہ افسانہ قابل قبول ہوتا ہے۔ زرتشت کے زمانہ میں جو واقعات ہو گزرے ہیں۔ وہ آج بھی ایران میں پریوں کی کہانیوں کی طرح یاد ہیں۔ صرف ایران میں یورپ کی قومیں جادو کے تاثرات کو نہ مٹا سکیں۔ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر رضا شاہ پہلوی کے آبا و اجداد کا شاعرانہ تخیل عام واقعات پر غالب آ گیا ہے۔

رضا شاہ پہلوی کہاں سے آیا؟

گہوارہ

بحیرہ خزر کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ زرد سورج کی شعاعوں کے نیچے سیاہ پانی نے ایک ابدی آئینہ کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ سرسبز چراگاہوں کا یہ متبرک خطہ ماژندران کا صوبہ ہے۔ پہاڑوں، جنگلوں اور صحراؤں نے اس ملک کو دنیا سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ بادل اس کی فضاؤں میں تیرتے ہیں۔ دھند اسے اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ خانہ بدوش قبائل اس کے دروازوں پر دستک دیتے ہیں۔ شاعر اور صوفی اپنے کلام میں اس کے گیت گاتے ہیں۔ اس کے باغوں میں غور و فکر کرتے ہوئے اسے "ایران کا بہشتان" کہتے ہیں۔ ماژندران کی ہوا سنگتروں اور لیموؤں کی خوشبو سے معطر ہے۔ وہ سپاہی جو ان چراگاہوں سے گزرتے

ہیں۔ ان کے جسموں پر زرہ بکتر ہوتی تھی۔ اصفہان کی تلواریں اور ہند کی ڈھالیں انہیں دشمنوں سے بچاتیں معطر ہوا ان سپاہیوں کے سڈول جسموں سے ٹکراتی اور وہ پرانے گیت گاتے ہوئے گزر جاتے۔ ان گیتوں میں وہ اپنے آبا و اجداد کی بہادری کے کارنامے بیان کرتے۔ ان کے گیتوں میں ہزاروں سال کے واقعات کی جھلک ہوتی تھی۔ ماژندران کے جنگلوں میں "مقدس آگ" کی پوجا ہوتی۔ پرانے گیتوں میں شاہ طہماسپ کا بھی ذکر آتا ہے۔ شاہ طہماسپ کے بہادر سپاہیوں نے ماژندران کے قلعوں کو فتح کیا۔ ان گیتوں میں نادر شاہ کا خون کھولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان گیتوں میں پیٹر اعظم کا بھی تذکرہ ہے۔ پیٹر اعظم تنہا ایک غیر ملکی حکمراں ہے جس نے ماژندران کو فتح کیا تھا۔ ماژندران کے قلعے ایک گزری ہوئی دنیا کے سائے ہیں۔ ان قلعوں میں رہنے والوں کی رگوں میں خالص ایرانی خون تھا۔ ان کی زبان پر فارسی کو ناز ہے۔ وہ ان بہادروں کے آخری وارث تھے جن کے گیت فردوسی نے شاہنامہ میں گائے۔ شاہنامہ آج بھی ایران کی رزمیہ کتاب ہے۔

قلب ماژندران میں دریائے تالار کے کنارے پر ایک پہاڑی کی چوٹی پر قلعہ اشات واقع ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں یہ قلعہ گرد و نواح کے علاقوں پر حکمران تھا۔ اس قلعہ میں ازمنۂ وسطٰی کی زندگی تھی۔ اس قلعہ میں ۱۶ مارچ ۱۸۷۸ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس نے ایران کے قلعوں، میدانوں، صحراؤں، نخلستانوں،

پہاڑوں، جھیلوں اور باغوں کو اپنے نام سے معمور کر دیا۔ یہ لڑکا قلعہ اشات کے وارث مراد علی خاں کا پوتا اور عباس علی خاں کا بیٹا رضا قلی تھا۔ اس لڑکے کے آبا و اجداد صدیوں سے ماژندران کے قلعوں میں آباد تھے۔ انہوں نے شاہِ ایران کے لئے یکے بعد دیگرے قربانیاں کیں۔ رضا قلی کا دادا مراد علی خاں ایک بہادر سپاہی تھا جسمانی طور پر وہ اتنا طاقتور تھا کہ وہ لوہے کی سلاخوں کو توڑ موڑ سکتا تھا۔ کئی سالوں کے امن و امان کی زندگی کے بعد ناصر الدین شاہ نے ایران کی زنگ آلود تلوار کو نیام سے باہر نکالا۔ مراد علی خاں نے شاہ کے جھنڈے تلے ہرات کی دیواروں کے نیچے باغی افغانوں سے جنگ کی۔ وہ اسی جنگ میں مارا گیا۔ اس کا بیٹا عباس علی خاں اپنے باپ کی جگہ لڑتا رہا۔ عباس علی خاں نے ایک بہادر سپاہی اور ایک قابل افسر کی حیثیت سے بڑا نام پیدا کر لیا تھا۔ عباس علی خاں صرف آٹھ ماہ تک پدری مسرت حاصل کر سکا۔ وہ ۲۶ نومبر ۱۸۷۸ء کو چل بسا۔ اس کی موت کے بعد قلعہ اشات پر خاموشی طاری ہو گئی۔

ایرانی بچوں کو بہت تھوڑی عمر میں تعلیم دلائی جاتی ہے۔ رضا قلی کو قرآن مجید پڑھایا گیا۔ چھ سال کی عمر میں اسے نماز اور روزہ کا پابند ہونا پڑا۔ چھوٹا رضا محرم میں جب امام شہید کا ماتم ہوتا دیکھتا۔ تو وہ خوف اور حیرت میں گم ہو جاتا۔ بہت چھوٹی عمر میں رضا کو اپنے جوش و خروش کے مظاہروں کا موقعہ مل گیا۔ وہ اپنے دوست مستوفی کے ساتھ سوادِ کوہ کی گلیوں میں بچوں کے ساتھ لڑائیاں لڑتا۔ رضا قلی کا جسم

سڈول اور قد لانبا تھا۔ وہ سب بچوں سے زیادہ حسین تھا۔ رضا قلی کے معلم نے ایک دفعہ کہا۔ کہ رضا کے لئے بہترین جگہ فوج ہے۔ رضا قلی کو کتابوں سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ وہ جب تک مکتب میں رہتا۔ اس کا چہرہ پژمردہ رہتا۔ مکتب سے باہر نکل کر وہ خوش و خرم دکھائی دیتا "یہ سب کیا ہے" وہ اکثر کہتا۔

پندرہ سال کی عمر میں رضا قلی گھوڑے پر سوار ہو کر مازندران کے سپاہیوں کے کھیل کود میں حصہ لینے لگا۔ رضا قلی نے انہی کھیلوں میں جنگ، فتح اور شکست کے تجربات حاصل کئے۔ رضا کو کتابوں سے نفرت ہو گئی۔ وہ صرف ایک بہادر کی زندگی بسر کرنا چاہتا تھا۔

رضا قلی کے دوست اکثر ایک کتاب پڑھتے۔ جن میں نہ تو پند و نصائح ہوتے اور نہ مسحور کن نظمیں۔ یہ کتاب ناصر الدین شاہ کا سفر نامہ تھی جس میں اس نے یورپی ملکوں کی سیاحت کے تاثرات لکھے ہوئے تھے۔ رضا بھی اس کتاب کو سنتا۔ رضا کے کان پہلی مرتبہ لندن، برلن اور پیرس کے ناموں سے آشنا ہوئے۔ رضا قلی اپنے دوستوں سے ان شہروں کے متعلق مزید معلومات دریافت کرتا۔ اس کے دوست اسے صرف اتنا بتا سکتے۔ کہ شہنشاہ اپنے سفر کے بعد کافروں کو اپنے ملک میں لے آیا ہے۔ اور یہ کہ ان کافروں نے لمبے لمبے

کھمبوں پر تار لٹکا دئیے ہیں - اور انہوں نے بہت سی دکانیں کھول لی ہیں- نیز یہ کہ انہوں نے ایرانی سپاہیوں کو تربیت دینی شروع کر دی ہے - رضا قلی شہنشاہ کا سفر نامہ سنتے وقت بڑے جوش میں آجاتا - ناصر الدین شاہ کے سفرنامہ نے رضا قلی کو اس دنیا کے تصور سے آگاہ کر دیا- جس میں اسے ایک اہم حصہ لینا تھا -

ایک ایرانی کا عہدِ طفولیت کم ہوتا ہے - اس کا دور شباب اس سے بھی کم ہوتا ہے - سولہ سال کی عمر میں لڑکے کو بالغ خیال کیا جاتا ہے- سترہ سال کی عمر میں اسے اپنی روزی کے لئے تجارت یا کوئی اور پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے- رضا کے لئے صرف ایک ہی جگہ تھی . . . . . کسی رجمنٹ کی بارک رضا کے دوستوں کا بھی یہی خیال تھا - وہ اچھی طرح جانتا تھا - کہ ایک غریب لڑکے کے لئے ماژندران کی فوج میں بھرتی ہونا بہت مشکل تھا - کیونکہ اسے صرف اِسی صورت میں تنخواہ مل سکتی تھی- جب کہ وہ طہران میں شاہ کی فوج میں جاکر بھرتی ہو- اسی اثنا میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا- جس نے رضا قلی کے ارادوں کا فیصلہ کر دیا -

مئی ۱۸۹۶ء میں سیاہ کپڑوں میں ملبوس، سیاہ جھنڈا اڑاتا ہوا اور سیاہ گھوڑے پر سوار قاصد نے ماژندران کے قلعوں کے دروازوں کے باہر کھڑے ہو کر

اعلان کیا۔ کہ "ناصر الدین شاہ کو قتل کر دیا گیا ہے"۔ رضا شاہ نے بھی یہ خبر سنی اُس نے اپنے دوستوں سے گفتگو کی۔ افسر اور سپاہی سب شاہ کے قتل کا تذکرہ کر رہے تھے۔ قاصد کے ارد گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔

" اپنے عہد حکومت کی پنجاہ سالہ تقریب منانے سے ایک دن پہلے شہنشاہ نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ عبد العظیم شاہ کے مزار پر جائے۔ شہنشاہ علی الصبح کاخ گلستان سے نکلا۔ تاکہ وہ جلد سے جلد وہاں پہنچ سکے۔ اس اثنا میں اس نے حکم دیا۔ کہ ہر فریادی کو اس سے ملنے کی اجازت دی جائے۔ خضوع اور خشوع سے ناصر الدین شاہ مسجد میں داخل ہوا۔ مزار کے سامنے جا کر وہ گھٹنوں کے بل ہو گیا۔ اسی اثنا میں ایک بوڑھا آدمی اپنی درخواست ہلاتے ہوئے آگے بڑھا۔ پیشتر اس سے کہ محافظ سپاہی مداخلت کرتے۔ اس نے درخواست کے نیچے سے پستول نکال کر شاہ پہ حملہ کر دیا۔ شاہ کے سینے سے اس طرح خون نکل رہا تھا۔ جس طرح کوہ مبوند کی آبشاروں سے پانی۔ کہا جاتا ہے۔ کہ قاتل سید جمال الدین افغانی کا ایک شاگرد میرزا رضا کرمانی ہے"۔

قاصد زیادہ دیر تک نہ بول سکا۔ کیونکہ ابھی اس نے کئی ایک قلعوں اور گراموں میں جانا تھا۔ ہجوم منتشر ہو گیا۔ لوگ گھروں کو چلے گئے۔ رضا کے احساسات بدل رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کہ اگر ہر آدمی اپنے بھائی پر اسی طرح ہاتھ اٹھائے۔ تو ایران

تباہ و برباد ہو جائے گا۔ ایران مر چکا ہے۔ شاہ کی نعش کے ارد گرد کمزور افسر کھڑے ہیں۔ شہر اور قلعے خاک میں مل رہے ہیں۔ دیہات میں بھیک منگوں کی کثرت ہے۔ ساری سلطنت ویران و برباد ہے۔

اچانک رضا کو وہ گفت و شنید یاد آئی۔ جو اس نے چند دن پہلے ان مسافروں سے کی تھی جو طہران سے آئے تھے۔ انہوں نے اسے بتایا تھا۔ کہ کاخ گلستان کے باہر دیو قامت سپاہی پہرہ دیتے ہیں، توپخانہ کے میدان میں توپیں نصب کی گئی ہیں۔ اور سپاہیوں کی سنگینیں سورج کی روشنی میں چمکتی ہیں۔ رضا کو اس سے زیادہ طہران کا پتہ نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنا جانتا تھا۔ کہ جو شخص اپنے ملک کی حفاظت کرنا چاہے۔ اسے اس مقام پر جانا چاہئے جہاں ملک کے لئے سب سے زیادہ خطرہ ہو۔ چنانچہ رضا قلی نے بھی اپنے ذہن میں طہران جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ اس کے نزدیک طہران میں ایران کے لئے سب سے زیادہ خطرہ پیدا ہو رہا تھا

رضا قلی نے طہران جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن چار سال تک اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ چار سال بعد رضا قلی شہنشاہ کے صدر مقام طہران کی طرف روانہ ہوا۔

طہران میں

بیس سال کی عمر میں رضا طہران کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے سر پہ ایک فیلٹ کی ٹوپی تھی۔ وہ نیلے رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ طہران کے قریب اسے ایک قافلہ ملا۔ ہر اونٹ کی پشت پر آٹھ نعشیں تھیں۔ کاروان میں ان انقلاب پسندوں کی بیویاں تھیں۔ جنہیں مظفر الدین شاہ نے قتل کرا دیا تھا۔ نعشوں پر سیاہ کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ یہ کارواں کربلا کی طرف جا رہا تھا۔ نوجوان مسافر نے کارواں کے آگے سر جھکایا۔ "امام شہید کے روضہ پر پہنچ کر میرے لئے بھی دعا کرنا"۔ ہم خود تمہاری دعا کے محتاج ہیں" اسے جواب ملا۔ کارواں گزر گیا۔

طہران کے دروازہ پر پہنچ کر اس نے چار میناروں کو دیکھا۔ دروازے پر

گداگروں کا ہجوم تھا۔ گداگر ہاتھ پھیلا کر خیرات طلب کر رہے ہے۔ یہ گداگر اور درویش بھی طہران میں اس نوجوان کی طرح تقدیر آزمائی کے لئے آئے تھے۔ رضا ان گداگروں کو چیرتا ہوا اپنے چچا ناصر الدولہ کے مکان کی تلاش میں چل نکلا۔ اس کا چچا ناصر الدولہ خاں بریگیڈیئر جنرل تھا۔ مختلف گلیوں اور بازاروں سے ہوتا ہوا رضا جنرل کے مکان پر پہنچا۔ مکان کچی دیواروں کا بنا ہوا تھا۔ صحن میں پہنچ کر اُس نے اپنے چچا سے کہا۔ "میں اپنے باپ کے بھائی کا خادم ہوں"۔ برآمدہ میں خادموں نے قالین بچھا دیا۔ رضا نے اپنے چچا کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا ختم ہونے پر جنرل نے اپنے بھتیجے سے کہا۔

"تم بھی اسی راستہ پر چلنا چاہتے ہو۔ جس راستہ پر تمہارے آباؤ اجداد نے اپنی جانیں دیں"

رضا نے نرم آواز میں رضا مندی کا اظہار کیا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

جنرل نے سر ہلایا۔ ایک لمحہ غور کرنے کے بعد اس نے اپنے بھتیجے سے طہران کا تذکرہ کیا۔ نوجوان تصویر حیرت بنا ہوا طہران کے حالات سن رہا تھا۔ جب نینوہ دنیا کا دل تھا، جب بابل تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ جب سُنس اور تھیبنیز میں زندگی کی حرارت تھی۔ اس زمانہ میں شمال میں ایک ایسا شہر آباد تھا۔ جو تجارت میں ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہ شہر راغیس تھا۔ اس شہر کے چوپائے ایک

قریبی گاؤں طہران کی چراگاہوں میں چرتے تھے۔ شمالی ایران کا صدر مقام اس راستے پر واقع تھا۔ جو ترکستان جاتا تھا۔ راغیس میں سلک رنگنے کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ . . . بیسویں صدی کے پہلے نصف میں راغیس کے کھنڈروں کی کھدائی ہوئی۔ جس طرح موصل نینوہ کے نواح میں ایک بہت بڑا شہر بن گیا۔ اسی طرح طہران راغیس کے قرب وجوار میں ایک گاؤں سے بہت بڑا شہر بن گیا۔ ایران کا صدر مقام میدان توپخانہ کے ارد گرد پھیلا ہوا ہے۔ اس میدان میں سینکڑوں توپیں چاروں طرف منہ کئے ہوئے نصب ہیں ان توپوں پر گرد جمی ہوئی ہے۔ یہ توپیں شہنشاہ کی ملکیت ہیں۔ ان کی مثال اس ولی عہد کی سی ہے۔ جس کا خاندان زوال پر ہو۔ گداگر اور سوداگر قاچاری خاندان کی عظمت کے ان آخری نشانوں کی طرف دیکھتے ہوئے شہر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ شہنشاہ ایران کاخ گلستان میں رہتا ہے۔ کاخ گلستان کے محافظ سپاہیوں کی ٹوپیوں پر شیر اور آفتاب کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ شیر نے اپنے پنجہ میں تلوار لی ہوئی ہے۔ یہ تصویر افسروں کی ٹوپیوں، محلوں اور پھریروں پر دکھائی دیتی ہیں۔

نوجوان رضا ایران کے بازاروں میں اس تصویر کو دیکھتا۔ لیکن اسے کیا خبر تھی۔ کہ یہ شیر محض ایک گذشتہ قوت کی کمزور یادگار ہے۔ کئی سالوں تک نوجوان رضا کو اس کتاب کا پتہ نہ چل سکا۔ جو روس کے مورخ بیلوسرسکی نے لکھی تھی۔

"وزیروں کا چناؤ اور تقرری کا انحصار شاہ کے لالچ پر ہے۔ ہر وزیر کو اس

امر کا احساس ہوتا ہے۔ کہ وہ چند دن کا مہمان ہے۔ اس کی قابلیت کا معیار صرف اس قدر ہوتا ہے۔ کہ وہ کیونکر شہنشاہ کی داشتاؤں کو زیادہ سے زیادہ تحفے دیتا ہے۔ اور درباریوں میں کیونکر زیادہ سے زیادہ دولت تقسیم کرتا ہے ایرانی دربار کی زندگی شطرنج کا ایک کھیل ہے۔ ہر وزیر کو اس حقیقت کا پتہ ہوتا ہے چنانچہ وہ اپنے مختصر عہد اقتدار میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ لوٹتا ہے۔ اس کی لوٹ مار سے غریب کسان، بیوائیں اور یتیم بچے نہیں بچ سکتے۔ ہر وزیر کا نظریہ یہ ہے کہ چونکہ اس نے تھوڑی مدت رہنا ہے۔ اس لئے اسے یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ اس تھوڑی مدت میں رعایا کو زیادہ سے زیادہ لوٹے "

جنرل ناصر الدولہ خاں نہیں جانتا تھا۔ کہ وہ ان حقائق سے اپنے بھتیجے کو آگاہ کرے اس کے نزدیک شہنشاہ کی فوج میں ملازم سپاہی کو صرف اتنا یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ شہنشاہ خدا کا سایہ ہے۔ ایک ایسا شہنشاہ جس کا پھریرا آفتاب اور جس کی عظمت آسمان ہے۔ جس کے سپاہیوں کی تعداد ستاروں سے بھی زیادہ ہے۔

رضا قلی حیرت و استعجاب سے طہران کے بازاروں میں گھومنے والے لوگوں کو دیکھتا۔ وہ بچوں، عورتوں، سوداگروں، افسروں، خانہ بدوشوں، درویشوں، گداگروں اور ملاؤں کو دیکھتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی چیز کی تلاش میں تھا۔ لیکن اسے ملتی نہیں۔ سارے ہجوم میں اسے ایک بھی باوردی سپاہی دیکھنے میں نہیں آتا تھا۔ نہ سپاہی اور

نہ افسر۔ حالانکہ ناصرالدین شاہ کے سفرنامہ میں ان کا تذکرہ تھا۔ کبھی کبھار رضا کی آنکھ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس اور ایک بوسیدہ رائیفل اُٹھائے ہوئے سپاہی پہ پڑ جاتی . . . . خاموش، سست اور مایوس!

کیا یہ لوگ ایران کے سپاہی ہو سکتے تھے؟ بہمن شیر کے جانشین؟ اس ایران کے سپاہی جس کا غلبہ ہند و عرب، مصر اور ترکستان پر تھا؟

اگر رضا کی آنکھ کسی اچھے سپاہی کو نہ دیکھ سکی۔ تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ ابھی اس چیز کا پتہ نہیں تھا کہ صرف کاغذوں میں مظفرالدین شاہ کی فوج کی تعداد ایک لاکھ سپاہیوں پہ مشتمل تھی۔ ایرانی فوج کی مثال ایک ایسے قلعے کی تھی جس کی دیواریں گر رہی ہوں۔ در اصل شہنشاہ کی کوئی فوج نہ تھی۔ شہنشاہ کی جان بچانے والی فوج میں چار سو سپاہی تھے۔ لیکن جب کبھی ناراض رعایا نے شاہی محلوں کا رخ کیا۔ تو یہ فوج شاہ کی حفاظت نہ کر سکی۔ ایرانی فوج غیر تربیت یافتہ تھی۔ فوج میں زیادہ تر ترک تھے۔ ان ترک سپاہیوں کی تنخواہ ان شہروں کی میونسپلٹیوں سے ملتی تھی۔ جہاں سے وہ بھرتی ہو کر آئے تھے۔ ایرانی فوج کے افسر بازاروں میں پھل فروخت کرتے۔ فوج کے سپاہی رات کو چوکیداروں کا کام کرتے ان میں سے اکثر چوری کرتے یا بھیک مانگتے۔ ایک اجنبی کے لئے ایرانی سپاہی اور گداگر میں امتیاز کرنا بہت آسان تھا۔ گداگر کے کپڑے بھی پھٹے ہوئے ہوتے۔ لیکن سپاہی کے رنگدار کپڑے اس سے زیادہ پھٹے ہوتے۔ اس ایرانی فوج کا نقشہ روسی جرنیل کوسوگوونکی

نے خوب کھینچا ہے

سب سے پہلے جس ایرانی شاہ نے فوج کی حالت سدھارنے پر غور کیا۔ وہ ناصرالدین تھا۔ جب اس نے پہلی مرتبہ یورپ کا سفر کیا۔ تو اس نے اپنے روزنامچہ میں طنزیہ انداز میں لکھا۔

"یورپی لوگوں نے انسانیت کی نجات کے لیئے قابلِ ستائش ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ یہ چیز عجیب و غریب ہے کہ ایک طرف وہ انسانیت کو بچانے کے لیئے بڑے سے بڑا کام کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف انسانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیئے وہ انگلستان کی دوول وچ اور جرمنی کی کروپ فیکٹریوں سے زیادہ سے زیادہ رائفلیں، توپیں اور گولے منگواتے ہیں۔ ان کا صرف ایک ہی کام ہے انسانیت کو جلدی اور زیادہ پیمانے پر فنا کرنا۔ وہ یورپی جو اپنے بھائیوں کو جلد سے جلد اور زیادہ تعداد میں موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔ وہ اس ہلاکت آفرینی پر فخر کرتا ہے۔ اسے انعام میں تمغے دئے جاتے ہیں۔"

لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ شاہ بھی اپنے ہمراہ ان ہلاکت آفریں آلات کو لایا۔ جب ۱۸۷۸ء میں یورپ کی سیاحت کے بعد وہ کاکیشیا کے راستہ سے واپس ایران آیا۔ تو کاسکوں (قزاقوں) کا ایک بریگیڈ اسے ایرانی سرحد تک پہنچانے آیا۔ ان کاسک سپاہیوں کی وردی اور آلات حرب نے شہنشاہ کو بہت متاثر کیا۔ طہران پہنچ کر اس نے کاکیشیا

کے روسی گورنر کو لکھا۔ کہ وہ روس کے ایسے فوجی افسر طہران بھیجے۔ جو وہاں ایک ایرانی کاسک بریگیڈ بنا سکیں۔ چنانچہ بہت جلد تین روسی افسر اور پانچ سارجینٹ میجر طہران پہنچ گئے۔ ایک سال بعد شہنشاہ نے ان پہلی دو رجمنٹوں کا معائنہ کیا جوان افسروں نے روسی قاعدہ و جنگ کے مطابق تیار کی تھیں۔

اب سارے ایران میں سوائے ایرانی کاسک بریگیڈ کے شہنشاہ کے پاس کوئی قابلِ اعتماد فوج نہ تھی۔ اس بریگیڈ کا معمولی سپاہی ایران کی باقاعدہ فوج کے ایک کرنل سے بڑا ہوتا۔

رضا شاہ ایسے نوجوان کے لئے شہنشاہ کے کاسک بریگیڈ میں شامل ہونے سے بہتر اور کونسی آرزو ہو سکتی تھی؟ طہران میں تھوڑی مدت کے قیام نے اس پر کاسک بریگیڈ کا اثر طاری کر دیا۔ اس نے اس بریگیڈ میں شامل ہونے کا پورا پورا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے اپنے چچا سے درخواست کی۔ کہ وہ اسے شہنشاہ کے کاسک بریگیڈ میں بھرتی کرا دے۔

جب رضا کو پتہ چلا۔ کہ اُس کے چچا ناصر الدولہ کو اسے کاسک بریگیڈ میں بھرتی کرانے کے لئے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا ہے تو بہت حیران ہوا۔ کاسک بریگیڈ میں بھرتی ہونا بہت مشکل تھا۔ روسی افسر کاسک بریگیڈ کے لئے ان رنگروٹوں کو ترجیح دیتے۔ جو ایران کے دُور دراز قبائلی علاقوں سے آتے۔ ترکمانوں اور افغانوں کو خالص نسل کے ایرانیوں سے افضل اور اعلیٰ خیال کیا جاتا میدانیوں کو بریگیڈ میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔

جب رضا کے چچا نے اپنے بھتیجے کے متعلق پوری ذمہ واری لی۔ تب اسے بریگیڈ میں

بھرتی ہونے کے لئے بلایا گیا۔ بائیس سال کے خوبصورت جوان نے روسی افسر کو متاثر کر دیا۔ اپنی رگوں میں خالص ایرانی خون ہونے کے باوجود رضا کو کاسک بریگیڈ میں بھرتی کر لیا گیا۔ رضا ۱۹۰۰ء میں کاسک بریگیڈ میں بھرتی ہوا۔ رضا نے اس وقت تک کاسک بریگیڈ کو نہ چھوڑا۔ جب تک کہ وہ ایران کے تاج و تخت کا مالک نہ بن گیا۔

چنگاری

جب رضا قلی ایک رنگروٹ سے کپتان کے عہدے پر پہنچا۔ تو ایران کے طول و عرض میں آئینی حکومت کی چنگاری سلگ رہی تھی۔ برطانیہ اور آئرستان سے پانچ گنا بڑا ملک تباہی و بربادی کا شکار ہو رہا تھا۔ ایران میں طبقہ اعلیٰ اور طبقہ ادنیٰ کے درمیان تاجروں کا ایک مختصر طبقہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ان کی جد و جہد کا ملک کی معاشی اسکیم پر بہت کم اثر تھا۔ ایران خوشحال جاگیرداروں اور تباہ حال کسانوں کا ایک ملک تھا۔ امپیریل باڈی گارڈوں میں بیس سال تک کام کرنے کے بعد رضا کو اپنے ملک اور ایران کے حکمران طبقہ کی کمزوریوں کا پتہ چلا۔

شہنشاہ کی موت سے ایک ماہ پہلے اس نے دسمبر ۱۹۰۶ء میں کمزور اور نحیف مظفرالدین کو میدان توپخانہ میں بریگیڈ کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھا۔ جنوری ۱۹۰۷ء میں

شاہ نے وفات پائی۔ بریگیڈ کے دوسرے ارکان کی طرح رضا نے بھی محمد علی شاہ کے حق میں حلف وفاداری اُٹھایا۔

ہر روز رضا کو یہ معلوم ہوتا۔ کہ عوام میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔ یہاں تک کہ سیاسی جادو کا لفظ مشروطیت، فوجی بارکوں میں بھی جا گھسا۔ ۱۹۰۵ء میں روس میں آئینی انقلاب آچکا تھا۔ ایران کے آئین پسند بھی ایران میں آئینی حکومت کے لئے جد وجہد کر رہے تھے بازاروں اور قہوہ خانوں میں مشروطیت، کا لفظ گونج رہا تھا۔ جادو کے اس منتر کا یہ اثر ہوا۔ کہ مظفر الدین نے اپنی موت سے پہلے فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ وہ ایران کو ایک آئینی حکومت دے گا۔ لیکن محمد علی شاہ نے اپنے آپ کو اپنے باپ سے زیادہ طاقتور خیال کیا۔ چنانچہ ایک طرف اس نے یہ اعلان کیا۔ کہ وہ مظفر الدین کے منظور کردہ آئین کی حفاظت کرے گا اور دوسری طرف اُس نے اس آئین کو مٹانے کے لئے ہر قسم کی جد وجہد شروع کر دی۔ اس نے ایرانی کاسک بریگیڈ کے روسی افسر سے سازش کی۔ کہ ایران پر فوجی غلبہ پا لینا چاہیئے۔ اس رپورٹ میں جو روسی کرنل میاخوف نے کاکیشا کے جنرل اسٹاف کے ہائی کمانڈر کو بھیجی۔ مندرجہ ذیل سطور درج تھیں:۔

"۲۶ مئی کو مجھے حکم ملا۔ کہ میں شہنشاہ کے حضور میں جاؤں۔ چنانچہ باغ شاہی میں، میں نے اپنے آپ کو اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کیا۔ ایک رازدارانہ گفتگو میں شاہ نے آئین کو معطل کرنے کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا۔ نیز اس نے بیرونی

طاقتوں سے درخواست کرنے کا فیصلہ کیا۔کہ وہ اپنی مداخلت سے ایران میں پہلے کی طرح کی ایک مطلق العنان حکومت قائم کرنے میں شاہ کی مدد کریں۔چنانچہ اس نے ایک خاص اسکیم بنائی۔ اس نے مجھ سے کہا۔کہ کم سے کم خون بہایا جائے۔ طہران پہنچ کر میں نے ایک اسکیم بنائی۔جس کا مقصد ایران کے سارے قوم پرستوں کو تباہ و برباد کر دینا تھا۔میں نے یہ تجویز پیش کی تھی۔کہ تمام آزاد خیال لیڈروں کے مکانوں پر بم باری کی جائے۔"

"بہت زیادہ خونریزی" شاہ نے جواب دیا۔

روسی افسر کی خونریزی کی اسکیم کے مقابلہ پر مشروطیت کا لفظ زیادہ سخت جان نکلا۔شاہ کا کاسک بریگیڈ باغی طہران کی سرکوبی کر سکتا تھا۔لیکن عین اس وقت جنوبی ایران میں بختیاریوں نے بغاوت کر دی۔بختیاریوں کے قبائل کو اسکندر اعظم بھی نہ دبا سکا۔بختیاریوں نے فیصلہ کر لیا۔کہ وہ ظالم شاہ سے نجات حاصل کریں گے۔۱۳ رجولائی ۱۹۰۹ء کو وہ قوم پرستوں کے ساتھ طہران میں داخل ہوئے۔ایران کے بازاروں میں سخت جنگ ہوئی۔کاسک بریگیڈ بھاگ نکلا۔شاہ نے روسی سفارت خانہ میں پناہ لی۔اسی سفارت خانہ میں شاہ کو اطلاع پہنچائی گئی۔کہ مجلس (نیشنل اسمبلی) نے اسے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہے۔اب اس کا ۱۲ سالہ بیٹا احمد شہنشاہِ ایران تھا۔معزول شاہ کریمیا چلا گیا۔

فتح یاب مجلس نے ایران کی تقدیر کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔مجلس نے ایک ایسا دور

قائم کرنا چاہا۔ جو بیک وقت قومی اور آزاد ہو۔ جب مجلس نے اس جد و جہد کو شروع کیا۔ تو اسے معلوم ہوا۔ کہ ایران میں سیاسی وحدت کی نوعیت کی کوئی قومیت موجود نہ تھی دور دراز علاقوں میں رہنے والے مختلف قبائل حکومت خود اختیاری کے قابل نہ تھے۔ جب تک ایک مطلق العنان حکمران موجود تھا۔ اس وقت تک قومی اتحاد کی کوئی نہ کوئی صورت دیکھنے میں آجاتی تھی۔ جمہوری آزادی نے ثابت کر دیا تھا۔ کہ ایران میں وحدت ملی کا فقدان تھا۔ ایران میں قومیت متحدہ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ بلند پہاڑیوں اور بے راہ صحراؤں نے لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا۔ ایران میں ایک بھی ایسی پارٹی نہ تھی۔ جو آئینی حکومت کا تصور رکھتی۔ مذہبی پیشوا کا یہ مطالبہ تھا۔ کہ مجلس میں اصول دین کے مطابق آئین مرتب کئے جائیں۔ دنیوی رہنما چاہتے تھے۔ کہ مجلس کو نپولین کی ریاست مجلس" کے انداز پہ چلائیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو ایوان نمایندگان کا خیال تھا۔ کن اصولوں کی بنا پر بربری خانہ بدوشوں اور نیم وحشی کسانوں کو نمایندگی دی جاتی ؟

مجلس کو بہت جلد اپنی کمزوریوں کا احساس ہوا۔ کیونکہ یہ ایران کی ساری قوموں کی ترجمانی نہیں کر سکتی تھی۔ شہروں سے سوداگروں کو اس مجلس کا نمایندہ چنا گیا۔ یہ نمائندے اپنی مرضی سے طہران آتے جاتے اور مجلس کے اجلاس بلاتے۔ پہلے مہینے فارستان کے نمایندے آتے اور دوسرے مہینے خراساں کے۔ ایران کے طول و عرض میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں بن گئیں۔ یہ جماعتیں آپس میں لڑتی رہتیں۔ ہر علاقے کی ایک علیحدہ مجلس بن گئی۔ ہر

گاؤں کی علیحدہ پارلیمنٹ تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے آزاد اور بے خبر۔ ایران کے مالیات کو بھی اس مجلس سازی سے بہت نقصان پہنچا۔ سنہ ۱۹۱۱ء کو حکومت نے قلعوں اور بندرگاہوں کو رہن رکھ کر غیر ملکی قرض کا سودا کیا۔

ہر شخص دوسرے سے دست و گریباں تھا۔ گورنر سیاست دان، وزیر اور لیڈر ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے تھے۔ ان لڑائیوں کے پردے میں طہران کے مفلس لوگ دکانوں میں لوٹ مار مچاتے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں ایران کے وزیر اعظم نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا:۔

> "ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیئے ہمارے پاس کوئی ذرائع نہیں ہیں ایران کے صدر مقام طہران میں ہر روز قتل اور غارتگری کی وارداتوں میں اضافہ ہو رہا ہے چونکہ ہمارے قبضہ میں اقتدار نہیں ہے۔ اس لئے ہم حالات پر قابو نہیں پا سکتے ہماری اپنی جانیں محفوظ نہیں ہیں۔"

اسی اثنا میں روس نے شمالی ایران کے چند صوبوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ زار کی فوجوں کی حفاظت میں جلا وطن محمد علی کریمیا سے واپس آیا۔ اس نے مازندران پر قبضہ کر لیا۔ جلا وطن شاہ نے قلعہ اشات کو اپنا ہیڈکوارٹر بنا لیا۔ اگست سنہ ۱۹۱۱ء میں ایران کی واحد فوج کاسک بریگیڈ کو شاہ کے مقابلہ کے لئے بلایا گیا۔ اس طرح رضا کو اپنی جائے پیدائش پر حملہ کرنا پڑا۔ جلا وطن شاہ کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ اور اسے دوبارہ جلا وطن ہونا پڑا۔

اگرچہ روس اور برطانیہ اپنے مقاصد کے پیش نظر آپس میں متحد نہیں تھے۔ تاہم دونوں ملک ایران کی تقسیم کے مسئلہ پر متحد ہو گئے۔ اس اتحاد کی بنا پر امریکی ماہر مالیات ولیم شوسٹر کو ایران سے جانا پڑا۔ اس زوال کے زمانہ میں رضا بہت کم پبلک معاملات میں حصہ لیتا۔ اسے بہت کم لوگ جانتے تھے۔ صرف اسی قدر معلوم ہے۔ کہ کاسک بریگیڈ کے جونیئر کرنل رضا قلی نے شادی کی۔ اور ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو اس کا بیٹا محمد رضا پیدا ہوا۔

گذشتہ جنگ عظیم نے ایران کے تاج وتخت کو متزلزل کر دیا۔ ایران اگرچہ اس جنگ میں غیر جانبدار تھا۔ لیکن متحارب ملکوں نے ہر طرف سے اس پر حملے کئے۔ جنوب کی طرف سے انگریز مغرب کی طرف سے ترک اور شمال کی طرف سے روس آگے بڑھ رہے تھے۔ سرزمین ایران کو ایک ایسی جنگ کا میدان بنا لیا گیا جس میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ جنگ عظیم کے دوران میں رضا نے خانہ بدوش قبائل کی بغاوت کو فرو کیا۔ اسی قسم کے معرکوں میں رضا نے فردوسی کے وطن اور مدفن طوس میں روسی سپاہیوں کی ایک فوج کو بھگا دیا تھا۔

رضا قلی آنے والے انقلاب سے باخبر ہو چکا تھا۔ وہ اپنی فوج سمیت طہران واپس ہوا۔ وہاں جا کر اس نے کاسک بریگیڈ کی بارکوں پر قبضہ کر لیا۔ بریگیڈ کے روسی افسر کو نکال دیا گیا۔ اب رضا نے اعلان کر دیا۔ کہ کاسک بریگیڈ جدید اور آزاد ایران کی طوفانی فوج ہے اپنے مسائل میں مصروف یورپ کو کیا خبر تھی۔ کہ رضا قلی نے فردوسی کی قبر پر عہد کر لیا

تھا۔کہ وہ ایران کو موت سے بچائیگا۔اور یہ کہ اس کی توانا شخصیت ایران کی تحریک ملی کا پروگرام لئے ہوئے تھی؟ حقیقت یہ ہے۔کہ یورپ میں اس وقت رضا کو کوئی نہیں جانتا لیکن یہ رضا کی تقدیر میں تھا۔کہ وہ ایران کو غیر ملکی غلامی سے نجات دلائے۔ وہ ایران جو ایک سو پچاس برس سے غلام تھا۔

طہران پر یلغار

تین گھنٹوں سے زیادہ کرنل رضا اس کوشش میں ہے۔ کہ وہ اپنے سپاہیوں کی منتشر قوت کو یکجا کرے۔ سفید رود کے کناروں پر دشمنوں کی توپیں نصب ہیں۔ مشین گنوں سے اولوں کی طرح گولیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اس بارش میں کرنل رضا کے چلانے کی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس سپاہی اس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے ان کے کارتوس ختم ہو چکے تھے۔ مقابلہ تو اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہر شخص کو اس کا یقین تھا۔ کرنل رضا کو بھی۔ گیلان کے دلدلوں میں وہ پانچ دن سے دشمنوں کے گولوں کی آواز سن رہا تھا۔ وہ جواب نہیں دے سکتا تھا۔ گولی بارود ختم ہو چکا تھا۔ کرنل رضا کی آخری مشین گن بھی بیکار ہو گئی۔ اب اس نے دشمنوں کو موقعہ دیا۔ کہ وہ آگے بڑھیں۔ وہ آہستہ آہستہ

جنگل کے سرے پر پہنچا۔ اس کے سامنے ایک سطح مرتفع تھی۔ اور اس کے بائیں طرف ایک شکستہ اور بوسیدہ گاؤں کے آثار تھے۔ مدت ہوئی کسان اپنی جھونپڑیاں چھوڑ کر چلے گئے تھے کرنل رضا اپنے سپاہیوں کو اس جگہ لے جا رہا تھا۔ شکستہ گاؤں چند لمحوں کے لئے انسانی آوازوں سے گونج اٹھا۔ بھوکے سپاہی کھانے پینے کی تلاش میں جھونپڑیوں کی تلاشی لینے لگے کرنل نے اپنے سپاہیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اُن میں سے کتنے زندہ رہ گئے تھے؟ تین چار ہزار کے قریب شہنشاہ کے کاسک بریگیڈ میں صرف اتنے سپاہی باقی رہ گئے تھے۔

تقریباً بیس سال تک اس بریگیڈ میں اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار کرتا رہا۔ اب لڑائی لڑی جا چکی تھی۔ شکست! خاموش توپیں اور مایوس سپاہی۔ ایران کو شکست ہو چکی تھی ایرانی سپاہی مورد الزام قرار نہیں دئے جا سکتے۔ اس شکست کی تمام ذمہ داری ان لوگوں پر تھی۔ جو طہران کے محلوں میں بیٹھ کر سیاسیات پر بحث کرتے تھے۔ ان مدبروں اور سیاست دانوں نے سپاہیوں اور قبائلیوں کو سامان جنگ بھیجنا بند کر دیا تھا۔

ایک دن کے آرام کے بعد کرنل رضا نے اپنے سپاہیوں کو طہران کی طرف مارچ کرنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے سپاہیوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ جب رضا کی نظر قزوین کی نیلی مسجد کے گنبدوں پر پڑی۔ تو اس نے احتراماً جھکتے ہوئے قزوین کو سلام کہا۔ پندرہ سو برس ہوئے۔ قزوین ساسانی بادشاہ شاپور ثالث کا صدر مقام تھا۔ اسی مقام پر شاہ نے بازنطین کے دروازے توڑنے اور یروشلم کی دیواروں میں شگاف کرنے کے لئے اپنی فوجیں اکٹھی کی تھیں۔ اسی مقام پر اس

نے اپنی فتح مندیوں کا جشن منایا تھا۔ جب کاسک بریگیڈ قزوین سے گزر رہا تھا۔ تو اتحاد الاسلام، جماعت شمالی ایران کو تاخت و تاراج کر چکی تھی۔ اس باغی جماعت کا سرغنہ میرزا کوچک خاں تھا۔ اس کے متعلق معلوم نہیں۔ کہ وہ کہاں سے آیا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں وہ شمالی ایران کے کسی شہر سے اُٹھا۔ اس نے آسمانوں کی طرف ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ کہ "لعنت ہو ہم پر" میں مغرب سے سورج نکلتا دیکھ رہا ہوں"۔ اس نے لوگوں سے وعدہ کیا۔ کہ وہ دولت کی مساوی تقسیم کرے گا۔ اس کے ساتھیوں نے ۱۹۲۰ء کے اختتام تک سارے شمالی ایران پہ قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے عہد کیا ہوا تھا۔ کہ وہ جب تک سرزمین ایران سے کافروں کو نہیں نکال دیں گے اس وقت تک وہ اپنے بال اور ناخن نہیں کٹوائیں گے۔ رضا کے سپاہی میرزا کوچک خاں کے ساتھیوں اور روسیوں سے لڑنے کے بعد واپس طہران جا رہے تھے۔ روس کی انقلابی فوجوں نے اتحاد الاسلام کے حامیوں کی مدد کی۔ چنانچہ رضا کے کاسک بریگیڈ کو شکست ہوئی۔

قزوین کے تار گھر سے رضا نے حکومت طہران کو شکست کی افسوس ناک اطلاع پہنچائی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے شکست خوردہ بریگیڈ کی دوبارہ تنظیم کے متعلق اپنی اسکیم بھی پیش کی۔ حکومت کے ایک مختصر سے حکم نے بریگیڈ کی کمان رضا کے سپرد کر دی۔ جب رضا تار گھر سے نکلا۔ تو وہ ایرانی کاسک بریگیڈ کا سینئر کرنل

اور کمانڈر تھا۔

اب رضا نے ایرانی کاسک بریگیڈ کے سپاہیوں کو ہر روز ڈرل کرانی شروع کی۔ ایک دن ڈرل کرانے کے بعد رضا نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔

"بریگیڈ کے ہر سپاہی کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اپنے افسر کی اطاعت کرے۔ جو کچھ میں کروں، جو کچھ میں کہوں، تم اُسے مانو۔ غیر مشروط پر، لیکن تمہاری اس اطاعت کی مجھ پر یہ ذمہ داری ہے۔ کہ میں تمہاری بہتری کا خیال رکھوں۔ اگر میں نے کبھی غلط حکم دے دیا۔ تو تم بے گناہ ہو گے۔ لیکن میری گردن کے ارد گرد شاہ کا رسہ ہوگا۔ اور میری نعش طہران کے میدان توپخانہ میں ہو گی"

ان صاف اور سادہ الفاظ نے ایرانی سپاہیوں کو پہلی مرتبہ ذمہ داری کا احساس کرایا۔ آج ایرانی زندگی میں یہ لفظ بہت دخیل ہے۔ کمانڈر کو ہر روز اپنے سپاہیوں کی ترقی کا احساس ہو رہا تھا۔ جب یہ سپاہی کمانڈر رضا کے سامنے مارچ کرتے ہوئے گزرتے۔ تو وہ بہت خوش ہوتا۔ کمانڈر رضا اپنی ساری تنخواہ اپنے سپاہیوں پر خرچ کر دیتا۔

رضا کے ذہن میں اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ کہ وہ کاسک بریگیڈ کو ایران کی سب سے بہتر فوج بنا دے۔ ایک دن سید ضیاؤالدین جو برل کیٹی کا ممبر تھا۔ قزوین میں آیا۔ طہران میں سید کا گھر شاعروں، ادیبوں، خلیفوں اور سیاست

دانوں کی آماجگاہ تھا۔

بریگیڈ کے کیمپ کے قریب ہی شاہانِ صفوی کے محلوں کے کھنڈر تھے۔ قزوین میں کمانڈر اور سید کی ملاقات ہوئی۔ ایران کے سیاسی مسائل پر بحث ہوتی رہی دورانِ بحث میں سید نے رضا سے کہا۔ کہ ایران پر ایک بہت بڑی مصیبت آنے والی ہے۔ کیونکہ وزیر اعظم وثوق الدولہ نے برطانوی سفیر مقیم طہران سے ایک ایسا معاہدہ کیا ہے جس کے بعد ایران کی آزادی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ سید نے پُرجوش انداز میں رضا سے کہا۔ کہ وہ ایران کی نجات کے لئے تلوار اُٹھائے۔ طہران پر یلغار کرے۔ اور ایران میں ایک قومی حکومت کی بنیاد رکھے۔ کیمپ میں پہنچ کر کمانڈر اور سید نے ساری اسکیم تیار کر لی۔ بریگیڈ کے افسروں کو جمع کیا گیا۔ سید ضیاء الدین نے ان افسروں کو طہران کے واقعات بتائے۔

ایک ہفتہ بعد ۱۵ فروری ۱۹۲۱ء کو قزوین کی فضا کوچ کے بگلوں سے گونج اٹھی۔ ڈھائی ہزار سپاہی تیار ہو گئے۔ کاسک بریگیڈ طہران کی طرف مارچ کرنے کے لئے تیار تھا۔ طہران میں نہ صرف کارخ گلستان تھا۔ بلکہ سارے ایران کے عروج و زوال کا انحصار ایران کے اس صدر مقام پر تھا۔

دو دن بعد طہران کی گلیوں میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ محلوں کے ارد گرد پولیس کا پہرہ تھا۔ چند لمحوں کے بعد جلو داروں کی آواز آئی "خبردار! خبردار! ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ

طہران کی طرف ایک اور بادشاہ بڑھا چلا آرہا ہے۔ بازاروں کے قہوہ خانوں سے ملّا بھاگے ہوئے جا رہے تھے۔ کمانڈر رضا اپنی فوج لئے ہوئے طہران کی طرف چلا آرہا تھا۔ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ بیس سال پہلے اسی قسم کی ایک فوج طہران کو لوٹ چکی تھی۔ وزیروں اور امیروں کے محل خوف سے لرز رہے تھے۔ عوام ہراساں تھے۔ خوفزدہ لوگوں میں کبھی کوئی یہ کہتا ہوا سنائی دیتا۔ کہ آنے والی فوج بالشویکوں کے زیر اثر ہے۔ ان میں سے کسی کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے "آنے والے سپاہیوں کی ہمدردی برطانیہ کے ساتھ ہے"

آخر کار حکومت کو یہ اطلاع ملی۔ کہ رضا کے سپاہیوں نے طہران سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ کاسک بریگیڈ کے سپاہی اپنے کمانڈر کے احکام کا انتظار کر رہے تھے!

بیس فروری کو حکومت نے فیصلہ کیا۔ کہ ایک وفد کو کمانڈر رضا کے پاس بھیجا جائے۔ اور اس سے درخواست کی جائے۔ کہ وہ طہران پر رحم کرے۔ اس وفد میں شاہ ایران کا نمایندہ، وزیر اعظم اور دو انگریز فوجی افسر بھی شریک تھے۔ مایوسی کی حالت میں یہ وفد رات کے آٹھ بجے طہران سے روانہ ہوا۔ دونوں انگریز افسر ایک موٹر کار میں تھے۔ اور ایرانی دوسری موٹر کار میں۔ اس وفد کے سارے ارکان راستے میں سوچ رہے تھے۔ کہ کہیں ایران کے یہ بالشویک سپاہی انہیں قتل نہ کر دیں۔ جب یہ وفد اس

گاؤں میں پہنچا تو محافظ سپاہیوں نے انہیں روک کر پوچھا۔ آپ حضرات طہران سے یہاں کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ وہ حکومت ایران کی طرف سے کمانڈر کو ملنے آئے ہیں۔

خوف وہراس سے کانپتے ہوئے ارکان وفد ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے میں ایک مدھم چراغ روشن تھا۔ نہ کرسی تھی اور نہ میز۔ ایک کونے میں ایک پرانی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ دروازے کا پردہ ہلا۔ چراغ کی مدھم روشنی ایک لمبے تڑنگے انسان پر پڑی اس کی کمر پر ایک تلوار لٹک رہی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا۔ انگریز آنے والے کی شوکت سے متاثر ہوئے۔

"میں کمانڈر ہوں، آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔" رضا نے کہا۔

وفد کے دوسرے ارکان کچھ کہنا ہی چاہتے تھے۔ کہ رضا نے کہا۔

"شمال میں روسیوں نے بریگیڈ کو شکست دی . . . . . آپ جانتے ہیں۔ کہ ہمیں کیوں شکست ہوئی؟ کیونکہ ہمارے پاس خوراک اور گولی بارود نہیں تھا۔ ہمیں دھوکا دیا گیا تھا بریگیڈ کے افسر اور سپاہی اس شکست کے ذمہ دار قرار نہیں دئے جا سکتے اس شکست کے ذمہ دار وہ مجرم ہیں۔ جنہوں نے ہمیں مصیبت اور بھوک میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ ان کی جگہ اچھے آدمیوں کو کام کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔"

"لیکن شہنشاہ کے متعلق کیا رائے ہے؟"

"میں اعلیٰ حضرت کا ایک وفادار خادم ہوں۔ تاہم میں اعلیٰ حضرت کے ان مشیروں سے لڑنا چاہتا ہوں۔ جنھوں نے ہمارے ملک کو اجنبیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے"۔ رضا نے جواب دیا۔

ارکان وفد رضا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ رضا کہاں تک سزا دے گا؟ کیا صرف وزیر جنگ ہی شکست کا ذمہ وار ٹھہرایا جائے گا۔ یا حکومت ایران کے سارے ارکان کو سزا دی جائے گی۔

"اعلیٰ حضرت وزیر اعظم کو فوج کا احترام کرنا چاہئے"۔ ایک نے کہا۔ لیکن رضا کی ایک ہی نظر نے اُسے خاموش کر دیا۔

"میں صرف ایک سپاہی ہوں۔ مجھے صرف شاہ کی طرف سے احکام ملتے ہیں۔ میں ان احکام پر عمل کرتا ہوں۔ جہاں تک وزیر اعظم کا تعلق ہے۔ آپ کی مراد کس سے ہے؟ میری نگاہوں میں صرف ایک ہی وزیر اعظم ہو سکتا ہے۔ اور جسے شاہ بخوشی تمام وزارت عظمیٰ کا عہدہ سونپنے کے لئے تیار ہوگا"۔ رضا نے جھونپڑے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ارکان وفد کی آنکھیں اوپر اُٹھیں۔ دہلیز پر سیّد ضیاؤ الدین کھڑا تھا۔

۱۲ فروری ۱۹۲۱ء کی رات کو تیاری کا بگل بجایا گیا۔ دن کے ایک بجے بریگیڈ طہران کی طرف روانہ ہوا۔ پونے دو بجے بریگیڈ قزوین دروازے سے طہران میں داخل

ہوا۔ کمانڈر نے طہران کے خالی بازاروں کا معائنہ کیا۔ بعض سپاہیوں نے ہوا میں بندوقیں چلائیں۔ پولیس کی جگہ محلوں، بنکوں اور پریسوں کے آگے فوج کا پہرہ تھا۔ تمام طہران خوف سے کانپ رہا تھا۔ وزیر اعظم کے محل پر پولیس کے ایک سپاہی نے بریگیڈ کا مقابلہ کرنا چاہا۔ اسے گولی مار دی گئی۔ طہران پر بریگیڈ کا قبضہ تھا۔ کسی شخص کی جائداد نہیں لوٹی گئی تھی۔ ایک مکان تک نہیں گرایا گیا تھا۔ کوئی شخص حکومت کی مدد کے لئے تیار نہیں تھا۔ بیسویں صدی کے تمام عسکری غلبوں Co pe di Etate میں سے طہران کے عسکری غلبہ میں کم سے کم جانی اور مالی نقصان ہوا تھا۔

اگلے دن شہنشاہ نے رضا کو "رضا خاں سردار سپاہ بنا دیا۔ سید ضیاؤالدین ایران کا وزیر اعظم تھا۔ کاظم خاں کو طہران کا گورنر بنا دیا گیا۔ مسعود خاں وزیر جنگ تھا۔ کاظم خاں اور مسعود خاں دونوں کاسک بریگیڈ کے افسر تھے۔

عسکری غلبہ کے پانچ گھنٹے بعد احمد شاہ نے ملک کی عنان حکومت باغیوں کے حوالے کر دی۔ رضا خاں نے شہزادہ فیروز کو گرفتار کر لیا۔ کیونکہ اُس نے انگریزوں سے معاہدہ کیا تھا۔ سورج مشکل سے غروب ہوا تھا۔ کہ سینکڑوں امیروں، شہزادوں درباریوں اور افسروں کو ایران سے جلا وطن کر دیا گیا۔ ان کی جائدادیں ضبط کر کے نئی حکومت کے خزانہ میں داخل کر دی گئیں۔ محلوں، قہوہ خانوں اور اخبار کے دفتروں میں نئے حکمران کی زندگی اور شخصیت کے متعلق باتیں شروع ہوئیں۔

نئے وزیر اعظم کے متعلق لوگوں کو ہر طرح کی واقفیت تھی ۔ وہ سید ضیا ؤ الدین کے مضامین پڑھ چکے تھے ۔ بیشتر لوگ قہوہ خانوں میں سید سے سیاسی گفتگو کر چکے تھے لیکن کمانڈر رضا کون تھا ؟ اس کے متعلق لوگوں کو کچھ علم نہیں تھا ۔ امرا ایک دوسرے کو صرف اتنا بتا سکے کہ کمانڈر رضا خاں کاسک بریگیڈ میں اپنی عمر کے بیس سال گزار چکا ہے ۔ ان میں سے کئی ایک یہ کہتے کہ رضا خاں کو فنونِ لطیفہ سے کوئی دلچسپی نہیں ۔ وہ دقیقی اور رودکی کے اشعار میں تمیز نہیں کر سکتا ۔ رضا خاں کے متعلق اس قسم کی گپ شپ ایک دن تک ہوتی رہی ۔

طہران میں داخل ہونے کے ایک دن بعد وہ فوجی وردی میں مجلس وزراء کے اجلاس میں چلا گیا ۔ وزیروں کا خیال تھا ۔ کہ ایک سپاہی ان کے معاملات میں کیا دخل دے سکتا ہے لیکن رضا نے مجلس وزراء میں اپنی باتیں منوائیں ۔ اس مجلس کے ارکان کو بہت جلد پتہ چل گیا ۔ کہ ان کے محل کے اردگرد سنگینوں کا پہرہ لگا ہوا ہے ۔ سپاہیوں کی یہ چمکتی ہوئی سنگینیں حافظ کی نزاکت اور سعدی کے پند سے زیادہ موثر ثابت ہوئیں ۔ ایران کے مدبر اس سپاہی کو شعروں اور مقولوں کے جال میں نہ پھنسا سکے ۔ ایران کی تاریخ میں پہلی مرتبہ صاحب علم کی جگہ صاحب تلوار حکمران تھا ۔

ایک رات کے اندر اندر مجلس ملی (پارلیمنٹ) معطل کر دی گئی ۔ اینگلو پرشین آئل کمپنی کا معاہدہ توڑ دیا گیا ۔ شہزادوں اور امیروں پر دس گنا زیادہ ٹیکس لگا دئے گئے

شہزادوں اور امیروں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ ایران کو جن زنجیروں نے صدیوں سے جکڑ رکھا تھا۔ وہ اچانک ٹوٹ گئیں۔

قدیم محلوں میں نئی ہوا چلی۔ جنگ سے تھکے ہوئے انگلستان نے معاہدے کی تنسیخ کو مان لیا۔ روسیوں نے شمالی ایران کو خالی کر دیا۔ ایک ہفتہ بعد سرخ روس نے ایران سے دوستانہ معاہدہ کیا۔ سوویٹ روس نے ایران کے تمام قرضے معاف کر دئے۔

رضا خاں کی مقبولیت کے سامنے ضیاؤ الدین کی مقبولیت ماند پڑنے لگی۔ سید ضیاؤ الدین نے اپنے اقتدار کے لئے رضا خاں کو استعمال کرنا چاہا۔ لیکن اسے معلوم ہو گیا۔ کہ فہم و فراست اور دانش و تدبیر میں وہ اس سے زیادہ ہے۔ سید ضیاؤ الدین کے حامی چند تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن رضا خاں کی پشت پر سارے ایران کی فوج تھی۔

تین ہفتوں تک ضیاؤ الدین خوب چمکا۔ رضا خاں نے اس وزیر اعظم سے بہت جلد نجات حاصل کر لی۔ اسے ایران سے جلا وطن کر دیا گیا۔ مسعود خاں کو بھی اپنے عہدے سے ہاتھ دھونے پڑے۔ رضا خاں نے وزارتِ جنگ کا قلمدان خود سنبھالا۔ ایک سپاہی جس نے فوجی زندگی بسر کر لی تھی۔ اچانک اپنے ملک کا نجات دہندہ بن گیا۔ اسی زمانہ میں کمال پاشا ترکی میں اسی قسم کی جنگ لڑ رہا تھا۔ رضا خاں کی کامیابی نے اس کے حوصلے بڑھا دئے تھے۔

بریگیڈ کا دورِ حکومت

صحراؤں کے بیٹے اب باغوں، بازاروں اور شہروں کے مالک تھے۔ ڈھائی ہزار فوجیوں کے قبضہ میں ایک ایسا ملک تھا۔ جو انگلستان، فرانس اور جرمنی تینوں سے بڑا تھا۔ بریگیڈ کی عسکری حکومت نے ایران کو بدل دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ ایران کی پرانی رسموں اور پرانے قانون کو بدل دینا چاہتے تھے۔ بریگیڈ کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ لیکن ایران کے سیاست دانوں اور مدبروں کا یہ خیال تھا۔ کہ بریگیڈ کو اپنے عزائم میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ چونکہ ضیاء الدین کو جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اس لئے بریگیڈ کو نظام حکومت میں اور زیادہ مصیبت تھی۔ تمام صوبوں نے بریگیڈ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ قدیم وزراء مارے خوف کے کانپ رہے تھے نوجوان احمد شاہ طہران چھوڑ کر اپنے گرمائی

صدر مقام کو چلا گیا تھا

بریگیڈ کی حکومت کا اولین کارنامہ سرخ روس سے ایک معاہدہ تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے سویٹ روس نے جنگ سے قبل کے تمام قرضوں کو منسوخ کر دیا۔ نیز شمالی ایران سے روسی فوجیں ہٹ کر سرحد روس میں داخل ہو گئیں۔ نہ صرف ایران میں بلکہ ساری دنیا کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا۔ کہ سویٹ روس اور ایران کے معاہدے کا مقصد سارے ایران کا بالشویک ہو جانا ہے۔ اور یہ کہ رضا خاں کا کاسک بریگیڈ سرخ بالشویکوں کا ہراول دستہ ہے غیر ملکی ڈپلومیٹوں کا یہ خیال تھا۔ کہ شمالی ایران کا بالشویک ہو جانا چند دنوں کی بات ہے طہران میں مقیم برطانوی سفارت جنوبی ایران میں اپنے مفاد کے تحفظ پر غور کر رہی تھی

ڈپلومیٹ اور سیاح بریگیڈ کو کمیونسٹ انقلاب کا پیش رو خیال کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی حکومتوں کو سنسنی پیدا کرنے والی اطلاعات پہنچائیں "تمام زمینوں کو ضبط کر لیا گیا ہے۔ سرمایہ داروں کی عام گرفتاریاں ہو رہی ہیں" لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اس وقت تک رضا خاں نہ تو سیاسی اقتدار اور نہ عموی اصلاحات کے مسائل حل کر سکا تھا۔

باوجود سردار سپاہ ہونے کے رضا خاں کی زندگی میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا لباس بدستور فوجی تھا۔ وہ اپنا سارا دن بارکوں میں صرف کرتا۔ وہ چار یا

پانچ گھنٹوں سے زیادہ نہیں سو سکتا تھا۔ وہ کبھی کبھی مجلس وزراء کے اجلاس میں شریک ہو کر ان رجعت پسندوں کی آنکھیں کھولتا۔

طہران میں بریگیڈ کے داخلہ کے بعد سرکاری مجلس وزراء کی طرح بریگیڈ کے افسروں کی ایک کونسل قائم ہو گئی تھی۔ اس کونسل کے اجلاس مجلس وزرا کی طرح محلوں میں نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ بریگیڈ کی بارکوں میں ہوتے تھے۔ اس کونسل کے اجلاس کی کارروائی سرکاری کاغذوں میں درج نہیں ہوتی تھی۔ نامہ نگاروں اور اخباروں کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا تھا۔ اس کونسل کے ارکان نہ ایرانی وزیروں سے مشورہ کرتے اور نہ ملکی نمایندوں سے بات چیت کرتے۔ ہر روز تھکا دینے والی ڈرل کے بعد اس کونسل کے ارکان رضا خاں کے گرد بارکوں میں جمع ہوتے۔ کونسل کے ارکان بڑے جوش و خروش سے واقعات حاضرہ پر بحث کرتے۔ اس کونسل کی خواہشات بہت جلد نوک سنگین کے زور پر مطالبات کی صورت اختیار کر لیتیں۔ اس کونسل اور مجلس میں صرف مقام اجلاس کا فرق نہ تھا۔ بلکہ روح کا۔ کونسل کے ارکان میں وطنیت اور قومیت کا جذبہ کارفرما تھا ایران کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ملت کا لفظ لوگوں کی زبان پر آیا۔ اتحاد الاسلام کے بہت بڑے علمبردار سید جمال الدین افغانی نے جس ایران جدید کی تعلیم دی تھی۔ اسے انجمنوں اور مجلسوں کے اجلاس پورا نہ کر سکے۔ اس خواہش کو رضا خاں نے پورا کیا۔ کاسک بریگیڈ ایران جدید کی روح رواں تھی۔

ایران کے منتشر صوبجاتی نسق کے پیش نظر ابتداء میں نوجوان افسر حیران تھے - کہ کام کہاں سے شروع کیا جائے - نوجوان افسر سردار سپاہ سے بڑے جوش و خروش میں ایران قدیم کی شوکت و سطوت کا ذکر کرتے . . . . اس ایران کا جو ایک زمانہ میں بحیرہ روم کے نیلے ساحلوں سے دیوار چین تک پھیلا ہوا تھا - اور جب زرتشت کی مقدس آگ روشن تھی - ان افسروں کا خیال تھا - کہ سوویٹ روس کی مدد سے وہ ایران میں "پہلوی تمدن" کو از سر نو زندہ کر سکتے ہیں - اس زمانہ میں غیر ملکیوں کا یہ خیال کہ بہت جلد طہران کے بوستانوں پر کمیونسٹ جھنڈا لہراتا ہوا دکھائی دیگا - بعید از قیاس نہیں تھا - جب سوویٹ روس کا پہلا سفیر کامریڈ ارتھیٹسن طہران پہنچا - تو قدیم اسکول کے سیاست دانوں کے دل میں بھی روس سے اتحاد کرنے کی آرزو پیدا ہو گئی - جب کبھی کونسل کے ارکان جوش میں آکر ایران میں سرخ ایرانی جمہوریت بنانے پر زور دیتے تو سردار سپاہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتا - رضا خاں شمالی ایران کی شکست سے دل برداشتہ نہیں تھا - اسی طرح اس کی اچانک کامیابی اسے متکبر نہ بنا سکی - جب کبھی اس کے افسر رضا خاں کو روس سے اتحاد کرنے پر آمادہ کرتے - تو وہ کہتا - کہ میں "روسی افسروں کے ماتحت کام کر چکا ہوں - اور روس سے اتحاد کے مسئلہ کو بہتر طریق پر سمجھتا ہوں" ایران کے وزیروں اور کونسل کے ارکان میں فوری تبدیلی کا جوش و خروش تھا - اس ہنگامہ آرائی میں تنہا - رضا خاں خاموش تھا - وہ عسکریت کو سیاست پر ترجیح دیتا تھا - اس کا آدرش سیاست دان، مدبر یا انقلابی بننا نہیں تھا

وہ صرف سپاہی رہنا چاہتا تھا مصطفےٰ کمال پاشا کا بھی یہی آدرش تھا۔ بالشویکوں سے زیادہ رضا خاں کے ذہن پر کمال پاشا اثر انداز تھا۔ رضا خاں اپنی حکومت کی بنیاد نیشنلزم پر رکھنا چاہتا تھا۔

کمال پاشا کی طرح رضا خاں نے یورپ اور کمیونزم کی اسپرٹ کو ٹھکرا دیا تھا۔ لیکن اس نے مغرب کی عسکری تنظیم کو قبول کر لیا تھا۔ ایرانی نوجوانوں کی ایک بہت بڑی جماعت یورپ کی علمیت کی حامی تھی۔ لیکن رضا خاں یورپ کی صنعت کا قائل تھا۔ اس نے سب سے پہلے ہوائی جہاز اور گن مشینیں خریدیں۔ اس کے بعد رضا خاں نے ایران کے مالیات کی طرف توجہ کی۔ اس نے مالیات کو ایک امریکی ماہر ڈاکٹر اے، سی، ملزپا کے سپرد کیا۔ ملزپا نے رضا خاں کو صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔ کہ ایران کے مالیات کی حالت بہت نازک ہے۔ کیونکہ گذشتہ ۱۵ برس سے کئی ایک صوبوں نے مرکزی حکومت کو ایک پائی تک نہیں بھیجی تھی۔ ایران کی مالی حالت اس قدر خراب ہو چکی تھی۔ کہ محض آئین سازی سے اس کا درست ہونا ناممکن تھا۔ اس کے لئے فوجی مداخلت کی ضرورت تھی۔

اس وقت تک بریگیڈ کا اقتدار مشکل سے حدود طہران سے باہر تک پہنچا تھا۔ دوسری طرف آذربائیجان، گیلان، خراسان، خوزستان اور بلوچستان میں مقامی گورنروں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ کیونکہ بریگیڈ کو سیاسیات کا زیادہ پتہ نہیں تھا۔ اس لئے اس نے سب سے پہلے عسکریت کی طرف توجہ کی۔

تین مہینوں کی تربیت کے بعد رضا خاں اپنے بریگیڈ سمیت ایران کے طول و عرض میں آندھی کی طرح پھر گیا۔ یہ آندھی تین سال تک چلتی رہی۔ اس مہم میں رضا خاں کی طاقت میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ایک سزا دینے والے ہاتھ کی طرح بریگیڈ کا سایہ سارے ایران پر چھا گیا تھا۔ اس کی آہنی گرفت نے جاگیرداری کے قلعوں اور طبقۂ امرا کی رعایتوں کو ختم کر دیا۔ ڈاکو منتشر ہو گئے۔ خانہ بدوش اور جنگلی قبائل صحراؤں میں بھاگ گئے۔

رضا خاں کی سب سے پہلی مہم خانہ بدوشوں، جاگیرداروں یا ڈاکوؤں کے خلاف نہیں تھی۔ بلکہ اپنے مد مقابلوں کے خلاف تھی۔ طہران سے کوچ کرنے کے بعد اسے معلوم ہوا۔ کہ خراسان میں نعمت تیغی نے بغاوت کر رکھی ہے۔ نعمت تیغی ایک بالشویک تھا۔ وہ خراساں میں بالشویک طرز تمدن رائج کرنا چاہتا تھا۔ ایران اور توران کی سرحدوں پر بریگیڈ کو پہلی فتح نصیب ہوئی۔ بالشویک نعمت تیغی کو شکست کھانی پڑی۔ کسانوں نے از سرِ نو کھیتی باڑی شروع کر دی۔ رضا خاں نے خراساں میں ایک نئی عوامی حکومت قائم کی۔

نعمت تیغی کی شکست کے بعد گیلان میں ایک اور بالشویک بغاوت رونما ہوئی اس بغاوت کا سرغنہ میرزا کوچک خاں تھا۔ میرزا کوچک خاں ایک سال قبل رضا کو گیلان کے دلدلوں میں شکست دے چکا تھا۔ لیکن اب وہ شاید رضا خاں کا مقابلہ نہ

کر سکے۔ روسی فوجوں کے چلے جانے کے بعد اس کی طاقت بہت کم ہو چکی تھی۔ رضا خاں کا بریگیڈ ایک سال کی تربیت سے پہلے کی نسبت بہتر ہو گیا تھا۔ جب کوچک خاں کے جنگلیوں نے رضا کے بریگیڈ کو مارچ کرتے ہوئے دیکھا تو بھاگ نکلے۔

ایرانی بالشویکوں کی دونوں بغاوتیں بغیر کسی دقت کے فرو کر دی گئیں۔ میرزا کوچک نے گیلان کے جنگلوں میں جان دی۔ میرزا کوچک کے خاتمہ نے رضا خان کے مدمقابلوں کو ختم کر دیا۔ اب رضا خاں نے قدامت پسند جاگیرداروں اور وحشی قبائل کی طرف توجہ کی۔ ۱۹۲۲ء میں بریگیڈ کو آذربائیجان کے ترکمانی قبائل سے لڑنا پڑا۔ تین سال تک رضا خاں ایران کے جاگیرداروں کی قوت توڑنے میں مصروف رہا۔

ان مہموں میں رضا خاں کی فوجی قابلیت ظاہر ہوئی۔ رضا خاں نے فوج کے تمام شعبوں کی عنان اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ وہ ایرانی فوج کا چیف آف اسٹاف کمانڈر اور کوارٹر ماسٹر جنرل تھا۔ دلدل اور صحرا، اسے نہ روک سکے۔ کاسک بریگیڈ کے ڈھائی ہزار سپاہیوں کی جگہ اب رضا خاں کے زیر کمان چالیس ہزار سپاہیوں کی فوج تھی۔ ان تمام مہموں کے اسباب یا سیاسی تھے۔ یا مالی جاگیرداروں کی شورش کے اسباب واضح ہیں۔ رضا خاں انہیں صدیوں کے حاصل شدہ مراعات سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ ایران کے تباہ شدہ مالیات کا تقاضا تھا۔ کہ مالیہ وصول کیا جائے۔ بارہا وحشی قبائل نے بریگیڈ پر حملے کئے۔ اور بارہا انہیں پسپا ہونا پڑا۔ آخر کار ان وحشی قبائل کو غیر

مسلح کر دیا گیا۔ اور ان کی زمینیں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں۔ جن لوگوں نے مخالفت کے سلسلہ کو جاری رکھا تھا۔ انہیں موت کی سزا دی گئی۔ ضبط شدہ جائدادوں سے رضا خاں کے بریگیڈ کی مالی حالت بہت اچھی ہو گئی۔ اب فتح اور کامرانی قدم قدم پر رضا خاں کے پاؤں چومتی۔ رضا خاں نے بریگیڈ کے سپاہیوں میں لوٹ مار کا مال تقسیم کر دیا تھا۔ اس سے سردار سپاہ کے جاں نثاروں میں مزید اضافہ ہوا۔ ان مہموں کے ذریعہ رضا خاں نے عوام کو مطلق العنانی، ازمنۂ وسطیٰ کی غلامی اور تباہ کن افلاس سے نجات دلائی۔

شمالی ایران میں سردار سپاہ کی سہ سالہ مہموں نے قلعوں اور دیواروں کو سطح زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ باکو کے ایک چھوٹے سے صوبے پر قابو پانے سے رضا خاں ۳۰ دیہات پر قابض ہو گیا تھا۔ رضا خاں نے آبپاشی کا کام حکومت کے حوالے کیا۔ ایران کے طول و عرض میں جاگیرداروں، زمینداروں اور تعلقہ داروں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ کسان خوش حال ہو گئے۔ زمین جوتنے والے تعلقہ داروں کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ اب کسانوں کی شادی کے لئے کسی تعلقہ دار سے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ قدیم نظام کے درخت کے پتے ایک ایک کر کے جھڑنے لگے۔

ایران کو متحد اور منظم کرنے کے لئے ایک طاقتور فوج کی ضرورت تھی۔ اس لئے بڑے بڑے لوگوں پر زیادہ ٹیکس لگائے گئے۔ کسان ان ٹیکسوں سے معرا تھے۔ تمام

ٹیکس فوج کی بہتری پر صرف ہوتے تھے۔ اس لئے فوج ان ٹیکسوں کو وصول کرتی ایران کے سیاسی اسٹیج پر سے شہزادوں اور وحشی قبائل کے چلے جانے کے بعد ایران پر بریگیڈ کی حکومت تھی۔

تین سال ان مہموں کو سر کرنے میں لگے۔ تین سال بعد رضا خاں اپنی فتحمند فوج کو لے کر طہران پہنچا۔ بریگیڈ اپنا کام کر چکا تھا۔ ایران نے ایک وحدت کی صورت اختیار کر لی تھی +

جمہوریّت یا شاہیّت

جب ۱۹۲۳ء کے یوم خزاں میں سردار سپاہ کی کامیاب فوج طہران میں داخل ہوئی۔ تو اس فوج کا تعلیم یافتہ طبقہ، بورژوا اور ترقی پسندوں نے پرجوش استقبال کیا۔ شاہ اور امیروں کے محلوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ صوبجاتی اتحاد سے قاچار خاندان کے شہزادے بہت مسرور تھے۔ لیکن دوسری طرف طبقۂ امراء کے دل میں ہر لمحہ خوف و ہراس بڑھ رہا تھا۔ مٹھی بھر امیروں کا یہ خیال تھا۔ کہ رضا خاں فوجی کام ختم کرنے کے بعد ریاستی امور کو رجعت پسند وزیروں کے سپرد کر دیگا۔ لیکن رضا خاں کی فوج کے سامنے ان مٹھی بھر امیروں کی حیثیت کیا تھی؟ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ رضا خاں

گذشتہ تین سال سے ریاستی امور کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ وہ اس امر کی طرف بھی بہت کم توجہ دے سکا تھا۔ کہ شاہ نے ان تین سالوں میں کابینہ کو پانچ مرتبہ معطل کیا تھا۔ اب رضا خاں نے پکا ارادہ کر لیا تھا۔ کہ وہ ایران کے خزانہ سے وزیروں کی جیب میں ایک پائی بھی نہیں جانے دے گا۔

رضا خاں فوجی وردی میں مجلس وزراء کے اجلاس میں شریک ہوتا۔ اب رضا خاں اپنے خیالات کی حمایت میں دلائل پیش کر سکتا تھا۔ سردار سپاہ نے مجلس وزراء میں جو جو مسائل پیش کئے۔ وہ جرأت کے لحاظ سے ان مہموں سے کہیں زیادہ تھے رضا خاں نے مجلس وزراء کو مجبور کر دیا۔ وہ اس کی باتوں پر کان دھرے۔ رضا خاں نے صاف اور واضح الفاظ میں سڑکوں کی تعمیر کی طرف توجہ دلائی۔ تاکہ مرکز کیساتھ تمام صوبوں کو ملایا جا سکے۔ رضا خاں نے مجلس وزراء کے سامنے ریلوے لائن کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ اور یہ کہ ایرانی ریلوے ایرانی سرمایہ سے بنائی جائے۔ حکومت اس سرمایہ کی فراہمی کیلئے کھانڈ اور چائے کی اجارہ داری حاصل کرے۔

وزیر اس عجیب وغریب انسان کی باتوں کو بڑی حیرانی سے سنتے۔ وہ کل تک جسے محض ایک فوجی افسر خیال کئے ہوئے تھے۔ وہ آج ان کے سامنے زمین کی رجسٹری، پیدائش اور موت کا ریکارڈ اور پیمائش کا ایک نیا ذریعہ امیر پیش کر رہا تھا۔ رضا خاں کی اس تجویز کو سارے مالیہ کا نصف فوج پر خرچ کرنا

چاہیئے۔ ان وزیروں کی سمجھ سے باہر تھا۔ اور جب اس نے یہ کہا۔ کہ باقی نصف عوام کی بہتری پر صرف ہوگا۔ تو اس بات نے وزیروں کو مزید حیران کر دیا۔ سردار سپاہ نے حکم دے دیا۔ کہ افیون کھانی اور پینی بند کر دی جائے۔ رضا خاں نے مجلس وزراء سے نہ صرف لڑکوں کے لئے بلکہ لڑکیوں کے لئے بھی اسکولوں اور یونیورسٹیوں کا مطالبہ کیا۔

ایران کے مدبروں، سیاست دانوں اور مجتہدوں کو ہر لمحہ اس امر کا خدشہ رہتا تھا۔ کہ رضا خاں، کمال پاشا کی تقلید میں ایران میں بھی ملحدانہ جمہوریت قائم نہ کر دے۔ رجعت پسندوں کے خطرات یہاں تک بڑھ گئے۔ کہ احمد شاہ بھی رضا خاں کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ایران کے وزیر اعظم نے شاہ سے مل کر سازش کی۔ لیکن پیشتر اس سے کہ سازش کو کام میں لایا جا سکتا۔ ایک نوجوان فوجی افسر وزیر اعظم سے ملا۔ اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔ "وزیر اعظم آپ زیر حراست ہیں"۔ بہت جلد وزیر اعظم کے بھائی مشیر الدولہ کو بھی رضا خاں کے ہیڈ کوارٹرز میں پیش کیا گیا۔ رضا خاں کے سامنے مشیر الدولہ نے عہد کیا۔ کہ وہ آیندہ کبھی سیاسیات میں حصہ نہیں لے گا۔ اس وقت تک شہنشاہ کو اتنی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ کہ وہ سردار سپاہ کو اپنے حضور میں بلاتا۔ آخر ایک دن رضا خاں دربار شاہ میں پہنچا۔ رضا خاں کے دبدبے اور رعب

سے "ملازمانِ سلطان" کانپ رہے تھے۔ شاہی محل پر خاموشی طاری تھی درباری خوفزدہ پرندوں کی طرح اپنے لبادوں میں سہمے ہوئے تھے۔ رضا خاں معمولی انداز میں شاہ کے سامنے جھکا۔ احمد شاہ ایک ایسے مریض کی طرح مسکرایا۔ جس کے سر پہ موت منڈلا رہی ہو۔ شاید شہنشاہ کو وہ ملاقات یاد آگئی تھی۔ جو کمال پاشا اور سلطان وحید الدین کے درمیان ہوئی تھی۔ شاید اسے آخری زار روس کی تقدیر کا خیال آیا ہو رضا کے الفاظ رعد کی طرح کڑک رہے تھے۔ سردار سپاہ کے ان الفاظ کو احمد شاہ اس طرح سن رہا تھا۔ گویا وہ تاریخ کا فیصلہ تھے۔ اب جبکہ وزیر اعظم گرفتار ہو چکا ہے شہنشاہ کو چاہیئے۔ کہ وہ بکمال رضا مندی وزارت عظمیٰ کے فرائض جنرل رضا خاں کے سپرد کر دے۔ شاہ نے اپنا سر ہلایا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں تھا۔ اب کمانڈر انچیف کے قبضہ میں ساری طاقت تھی۔

جنرل رضا خاں کی آواز ایک دفعہ پھر گونجی۔ شاہ اپنی خرابی صحت کے پیش نظر شاید یورپ کے سفر کا خیال کر رہا تھا۔ شاید پیرس کا؟ "میری صحت" ؟ شاہ نے کہا۔ اچانک اس کی آنکھوں میں چمک آگئی:۔ پیرس! وہ دریائے سین کے کناروں پر آرام سے زندگی بسر کرے گا۔ اور شہنشاہ رہے گا۔ میں پیرس جاؤں گا۔ شاہ نے کہا۔

یہ سب کچھ ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ہوا۔ چند ماہ بعد شاہ کا قافلہ طہران سے روانہ ہوا ایران کے خیر خواہوں نے سوچا۔ کہ ایران کی ترقی کے راستہ کا سنگ گراں ہٹ چکا

ہے۔ جمہوریت کا لفظ ہر شخص کی زبان پر تھا۔ ہر چھوٹے اور بڑے کی زبان پر بھی لفظ تھا فوج کے چند ایک افسر بھی جمہوریت کے حامی ہو چکے تھے۔ شاہ کا قافلہ مشکل سے ایرانی سرحدوں کے پار گیا تھا۔ کہ لوگوں نے جمہوری حکومت کے فوائد پر بحث شروع کر دی ان کی زبانوں پر ترکی کی تقلید کے الفاظ تھے۔ ہر شخص اس امر پہ متفق تھا۔ کہ ایک ایرانی کمال پاشا کی جگہ کا مستحق رضا خاں ہے۔ طہران، اصفہان اور تبریز میں جمہوریت پسند جماعتیں بن گئیں۔ سوداگروں اور مقامی لیڈروں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ رضا خاں کو چاہیئے۔ کہ احمد شاہ کو تخت سے معزول کر دے۔ شاہ کے طہران سے چلے جانے کے چند ماہ بعد ایران کے چالیس وزیروں، امیروں، کبیروں اور لیڈروں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ رضا خاں کو ایرانی جمہوریت کا صدر ہونا چاہیئے۔

اس وقت رضا خاں کے ذہن میں تاج دارائی کی تمنا نہ تھی۔ وہ ایران کا بادشاہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں طہران کو انقرہ بنانے کا خیال تھا۔ یہ تیاریاں اس حد تک پہنچ چکی تھیں۔ کہ اعلان جمہوریت کے لئے ۲۱ مارچ ۱۹۲۴ء کا دن مقرر کیا گیا لیکن ۲۱ مارچ ۱۹۲۴ء کو اعلان جمہوریت نہ ہو سکا۔ تمام تجویزیں خاک میں مل گئیں۔ ایران جدید ترکی کے نقش قدم پر نہیں چل سکتا تھا۔

ایران کی ساری آبادی جمہوریت پسند ہو چکی تھی۔ کہ ایرانی ملاؤں نے مداخلت کی انھوں نے صرف ایک لفظ کہا، حرام!

اس سے پہلے ایران کے مجتہد اور ملا قاچاریوں کے خلاف بغاوتوں میں برابر حصّہ لیتے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاں انقلابیوں کو بارہا پناہ دی۔ نجف اشرف کے مجتہد اعلیٰ اعلان کر چکے تھے کہ: "جو شخص آئینی حکومت کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ ہمارے دین کی مخالفت کرتا ہے"۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ایران کی ملائیت نے بریگیڈ کے دورِ حکومت میں اپنی رائے بدل ڈالی؟ وہ ترکی کی رفتارِ ترقی سے خوفزدہ تھے۔ کمال پاشا نے ترکی ملاؤں سے جو کچھ کیا تھا وہ ایرانی ملاؤں کو یاد آگیا۔ اب ان ملاؤں نے انقلاب پسندوں کو ملحد اور بے دین کہنا شروع کیا۔ مزدور انجمنوں، سوشلسٹ اخباروں اور کمیونسٹ پارٹی کو ان کی وجہ سے ایران میں ختم کر دینا پڑا۔ وہ خیال کرتے تھے۔ کہ جس عصا نے ترکی میں تباہی مچائی ہے۔ وہی عصا ایران کو برباد کرنے والا ہے۔ مجتہدوں نے اپنی ساری دولت جمہوریت کے خلاف صرف کر دی۔

رضا خاں کے گھر کے اندر اعلان جمہوریت کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں لیکن اس گھر کے باہر حالات بالکل بدل چکے تھے۔ اب رضا خاں کے محل کے باہر "زندہ باد" کے نعروں کی جگہ خاموشی اور سکون تھا۔ یہی لوگ اب مسجدوں میں اکٹھے ہو کر ملاؤں کا وعظ سنتے۔ ملّا اپنی تقریروں کے بعد اللہ سے دعا کرتے۔ کہ وہ ان لوگوں کو سزا دے۔ جو ایران میں بارہ اماموں کے مذہب کو فنا کرنے کیلئے جمہوریت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مجتہدین کے منہ سے آیات قرآنی اس طرح نکلتیں جس طرح پھول برس رہے ہوتے۔ مجتہدین کی ان تقریروں

سے عوام کے سینوں میں آگ لگ چکی تھی۔ ہر جگہ جلسے اور جلوس دکھائی دیتے تھے۔ لوگ مسجدوں میں جمع ہو کر نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے۔

سردار سپاہ کے محلوں میں خاموشی بڑھتی گئی۔ رضا خاں کے محل کے سامنے جو چوک تھا۔ وہاں کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پولیس جلسوں کو منتشر کرنے میں عوام سے کئی مرتبہ متصادم ہوتی۔ دینی رہنماؤں کی تقریروں کے سامنے رضا خاں کی فتوحات کی شان وشوکت ماند پڑنی شروع ہوئی۔ ایران کے طول و عرض میں مجتہدوں نے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ سردار سپاہ ایران میں شیطانی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ عورتیں بے پردہ پھریں گی، تمام مسجدیں بند کر دی جائیں گی۔ سوویٹ روس کی طرح ایران سے بھی مذہب کو خارج کر دیا جائے گا۔ بہت جلد ایران گناہ کی لپیٹ میں آجائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ بریگیڈ کی حکومت متزلزل ہو رہی تھی۔ ان افسروں کی جنہوں نے تیس سال میں ایران کو متحد کیا تھا۔ گلیوں میں بے عزتی کی جا رہی تھی۔ عوام کی برہمی سے رضا خاں بھی نہ بچ سکا۔ ایک مرتبہ عوام نے اس کے موٹر کو آگے چلنے سے روک لیا۔ اس پر لعنتیں بھیجی جا رہی تھیں۔ ایک لوہار نے بہت بڑا پتھر موٹر پر پھینکا۔ اب چھوٹے چھوٹے پتھروں کی چاروں طرف سے بارش ہو رہی تھی۔ موٹر کار مشکل سے واپس ہوا رضا خاں اپنی جان بچا کر مشکل سے اپنے محل میں پہنچ سکا۔

پتھروں کی بارش کے دوران میں بریگیڈ کے سپاہی جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ بریگیڈ

کے افسروں نے ہجوم کو منتشر کر دیا ۔ رضا خاں نے افسروں کا ایک فوری اجلاس طلب کیا ۔ بہت سے افسروں نے جوش و خروش میں آکر مشورہ دیا ۔ کہ فوراً جمہوریت کا اعلان کر دینا چاہیئے ۔ اور تمام مذہبی جماعتوں پر پابندیاں عاید کر دینی چاہئیں ۔ عوام کے مظاہروں کے پیش نظر جمہوریت کے اعلان کو انتخابات کے بعد ملتوی کر دیا گیا ۔ ملاؤں کی طاقت کا مقابلہ کرنا مشکل ہو چکا تھا ۔ جرنیلوں اور کرنیلوں نے بے سود ایران کے طول و عرض کا دورہ کیا ۔ نوجوان انقلاب پسندوں کی پر جوش تقریریں کسی کام نہ آسکیں ۔ ملاؤں نے جگہ جگہ یہ کہنا شروع کیا ۔ کہ اگر ایران نے ملحد کمال پاشا (بعد میں کمال اتا ترک) کی تقلید کی تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا ۔

پارلیمنٹری انتخابات کے نتائج رضا خاں کے لئے حد درجہ مایوس کن تھے ۔ وہ شخص جو ایران کو متحد کر چکا تھا ۔ اب اس کے لئے ووٹ حاصل کرنے بہت مشکل ہو چکے تھے ۱۱۷ نمایندوں میں سے صرف ۴۲ جمہوریت پسند تھے ۔ ایران میں ذہنی خلفشار پیدا ہو چکا تھا ۔ شہزادوں اور مجتہدوں نے شہنشاہ کو پیرس میں واپس آنے کے متعلق تار دئے ۔

اسی اثنا میں ایک مذہبی جلوس میں امریکہ کا نائب قونسل قتل کر دیا گیا تھا ۔ رضا خاں نے اس قتل کے بعد ایران کے تمام صوبوں میں مارشل لا نافذ کر دیا تھا ۔ ملاؤں کے جلسوں کو بڑی سختی سے بند کر دیا گیا ۔ جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کر دی گئی ۔ پارلیمنٹ میں رضا خاں کی مخالفت ہر روز بڑھتی جا رہی تھی ۔ رضا خاں نے مجلس شورائے ملی میں جو

میزانیہ پیش کیا تھا۔ اُسے پارلیمنٹ کے ارکان نے ٹھکرا دیا۔ مجلس کے ارکان ایک ایک کر کے رضا خاں پر نکتہ چینی کرتے۔ رضا خاں پر ذاتی حملے کیئے جاتے لیکن رضا خاں نہایت تحمل اور بردباری سے ان کے الفاظ سنتا۔

بریگیڈ کے افسر پریشان تھے۔ کہ سردار سپاہ اعلان جمہوریت میں کیوں خاموشی سے کام لے رہا ہے۔ سردار سپاہ کے محل میں راتوں کو جلسے ہوتے۔ یہ جلسے نہ صرف شاہ آرتھر کی گول میز کی یاد تازہ کرتے۔ بلکہ ان میں شریک ہونے والوں کی آنکھوں کے سامنے وہ راتیں پھر جاتیں۔ جب وہ فوجی کیمپ میں الاؤ کے ارد گرد جمع ہو کر باہمی مشورے کیا کرتے تھے۔ ایک عینی شاہد لکھتا ہے:-

"ایران کے قدیم بہادروں کی طرح جو کیکاؤس شاہ کے گرد جمع ہوتے تھے۔ بریگیڈ کے افسر بھی اسی طرح سردار سپاہ کے گرد جمع ہوتے۔ رات کے آٹھ بجے کے بعد کھانے کے کمرے میں لوگ جمع ہو جاتے۔ بڑے بڑے بوٹوں کی چاپ نرم نرم قالینوں پر پڑتی۔ خدام ادھر سے ادھر بھاگے پھرتے۔ ہر شخص کے سامنے اس کی مرضی کے مطابق کھانا چنا جاتا۔ فوجی افسر اپنی گذشتہ مہموں کی باتیں کرتے اسی اثنا میں ایک شخص اندر داخل ہوتا۔ جو بیک وقت کمانڈر انچیف وزیر جنگ اور وزیر اعظم ہوتا۔ وہ چیک بوٹ پہنے ہوئے فوجی وردی میں اندر داخل ہوتا۔ وہ کبھی اس مہمان کے اور کبھی اس مہمان کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھتا۔ اس کے مختصر

الفاظ سارے افسروں کو قواعد کا میدان یاد دلا دیتے ۔"

ولی عہد کا محل اور بریگیڈ کا ہیڈ کوارٹر دو جداگانہ مقام تھے ۔ اب صرف ایک ہی صورت تھی ۔ ولی عہد کا محل رہے یا بریگیڈ کا ہیڈ کوارٹر ۔ ان دونوں کے تصادم کا فیصلہ طہران کے بازاروں میں نہیں ہونا تھا ۔ بلکہ دور محمرّہ میں ۔ شیخ محمرّہ کی قوت ابھی برقرار تھی ۔ دوسرے جاگیرداروں کی طرح وہ شکست خوردہ نہیں تھا ۔ شیخ محمرّہ گذشتہ دس سال سے آزاد تھا ۔ اس نے طہران کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق باقی نہیں رکھا تھا ۔ اس نے کئی سال سے طہران کے شاہی خزانہ میں ایک پائی تک نہیں بھیجی تھی ۔ وہ اپنے آپ کو برطانیہ کے زیر اثر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا ۔ اس نے جنوبی ایران کو بریگیڈ کی حکومت سے بچانے کے لئے ایک نئی تحریک چلائی تھی ۔ شیخ محمرّہ کے علاقہ میں بریگیڈ کا کوئی اثر نہیں تھا ۔

شیخ محمرّہ کا قلعہ بریگیڈ کے ہیڈ کوارٹرز اور کاخ بوستان کے تصادم کا مرکز بن گیا ۔ محمرّہ کے بازاروں اور شوستر کی مسجدوں میں رضا خاں کو کافر اور بے دین قرار دیا گیا ۔ عوام کے جذبات کو اسلام کے نام پر اُبھارا جاتا ۔ بہت جلد عوام کی زبان پر یہ الفاظ تھے :۔

"اے شیخ ہمیں ہمارا شہنشاہ دلا دے ۔ اے شیخ ہمیں حکم دے ! اے شیخ ہمیں طہران لے چل !"

ان نعروں کی صدائے بازگشت کو سردار سپاہ نے بھی سنا۔ سردار سپاہ سمجھ گیا۔ کہ شیخ محمرہ کو ولی عہد کی پوری پوری مدد حاصل ہے۔

۶ نومبر ۱۹۲۴ء کو رضا خاں نے شیخ محمرہ کے خلاف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ شیخ کے ساتھیوں کو حکومت ایران کا باغی قرار دیا گیا۔ عام لام بندی کا حکم دیا گیا۔ ایران میں فوجی آمریت کا اعلان کر دیا گیا۔ بائیس ہزار سپاہیوں کی کمان میں رضا خاں نے جنوب کا رخ کیا۔ فوج قم، اصفہان، شیراز اور سلطان آباد کے شہروں سے گزر گئی۔ رضا خاں کی آنکھیں عربستان کے شیخ محمرہ کے قلعہ کی دیواروں کی منتظر تھیں تین ہفتوں کے بعد رضا خاں کی فوجیں باغی شیخ کے علاقہ میں تھیں۔ سردار سپاہ کا خیمہ سوسہ کے قدیم یونانی شہر کے کھنڈروں پر نصب تھا۔ ان کھنڈروں کے نیچے سکندر اعظم کی شان و شوکت مدفون تھی۔ تین ہزار سال پہلے اسی مقام پر مشرق اور مغرب میں صلح ہوئی تھی۔ سوسہ کے ریگستان میں رضا خاں نے سکندر اعظم کی حکمت عملی اختیار کی۔

شیخ محمرہ کو موٹروں کا بہت زیادہ شوق تھا۔ شیخ کے پاس ایک رولز رائس کار تھی۔ مشینی عہد کے اس عجوبہ کی مثال سینکڑوں میل آس پاس دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ ایک صبح عربستان کا حکمران شیخ محمرہ حیران ہوا۔ جبکہ اس نے قلعہ کی دیوار سے ایک بڑے موٹر کو قلعہ کی طرف آتے دیکھا۔ یہ موٹر شیخ کے رولز رائس کے پاس آکر رک گیا۔ شیخ کا رولز رائس موٹر اس کے سامنے ایک حقیر کھلونا دکھائی دیتا تھا۔

وہ ابھی شش و پنج میں ہی تھا۔ کہ اُس نے دیکھا۔ کہ اس کا ایک پرانا دوست موٹر سے اترا۔ شیخ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ جب اس کے پرانے دوست نے کہا :۔

"کیا اعلیٰ حضرت اس نئے موڈل میں بیٹھ کر سیر نہیں کریں گے؟

اس سوال نے شیخ کے ذہن سے دشمنوں کی فوج کے خیال کو محو کر دیا۔ اس نے اپنے پرانے دوست کی خواہش کو پورا کر دیا۔ نئے موڈل کی خوشی میں شیخ نے ڈرائیور سے کہا۔ کہ وہ موٹر کو بہت تیز چلائے۔ طہرانی دوست خاموش بیٹھا تھا۔ شیخ موٹر ہی کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ جب شیخ کو مقام سفر کا پتہ چلا۔ تو اُسے معلوم ہوا۔ کہ وہ رضا خاں کے کیمپ میں ہے۔ سپاہیوں نے شیخ کو گھیر لیا۔ چند منٹ بعد وہ سردار سپاہ کے خیمہ میں تھا۔ شیخ کے ذہن میں سزائے موت کا تصور پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن شیخ خود حیران تھا۔ کہ اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں ہوا۔ نہ اسے طوق و سلاسل میں جکڑا گیا۔ اور نہ اسے قید کیا گیا۔ سردار سپاہ کے خیمے میں وہ کئی گھنٹوں تک رضا خاں سے باتیں کرتا رہا۔ اسے کار ڈاف آنر کے ہمراہ طہران بھیج دیا گیا۔ باغی شیخ پارلیمنٹ کے بالائی ایوان میں عربستان کا نمائندہ تھا۔

شیخ محمرّہ پر قابو پا لینے کے بعد بھی عربستان میں شورش باقی تھی۔ مدتوں اور قبائل نے جاگیرداری کو بچانے کیلئے آخری کوشش جاری رکھی۔

رضا خاں اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ خیموں کے شہر سے باہر نکلا۔ وہ ایک کشتی میں بیٹھ کر محمرہ پہنچ گیا۔ قلعہ کی دیواروں سے شیخ کے سپاہی کشتی پر ایرانی جھنڈا لہراتا ہوا دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے ایک طویل قامت انسان کو کشتی میں سے اترتے دیکھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ مقابلے میں ایک بندوق نہ چلائی گئی۔ قلعہ کے دروازہ میں شیخ کے بیٹوں نے گھٹنے ٹیک کر سردار سپاہ کا استقبال کیا۔ عورتوں نے رضا خاں کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے رضا خاں بے خوف و خطر محل کے اندر داخل ہوا۔ جس طرح سکندر اعظم نے قدیم ایرانیوں کے قلوب پر فتح پالی تھی۔ اسی طرح رضا خاں نے بغیر خون بہائے ہوئے عربستان پر قبضہ کر لیا۔ تین دن بعد بریگیڈ محمرہ میں داخل ہوا۔ شیخ محمرہ کے شاہی محل میں قدیم اور جدید ایران میں صلح ہوئی۔ رسمی تقریبات کے بعد رضا خاں نے اپنے ایک امیر لشکر کو عربستان کا گورنر بنایا۔ صوبے کے معاشی حالات کا مطالعہ کرنے کے لیئے رضا خاں نے امریکی ماہرین کا ایک کمیشن مقرر کر دیا۔

۶ نومبر کو محمرہ کی مہم شروع ہوئی تھی۔ ۶ دسمبر کو بریگیڈ کے سپاہی قلعہ کے اندر تھے۔ ایک مہینے کے اندر اندر ایران کے سب سے بڑے جاگیردار کی قوت کو خاک میں ملا دیا گیا۔ دنیوی لوگوں کی قوت مٹائے جانے کے باوجود رضا خاں ایران کے روحانی پیشواؤں کی طاقت کا معترف تھا۔ ایران کے لیئے ترکی کی تقلید ناممکن تھی۔

محمرہ کی مہم کے بعد رضا خاں کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ اس سفر میں رضا خاں کے ہمراہ ایران کے مشہور عارف اور صوفی تھے۔

اسی اثنا میں رضا خاں کے بریگیڈ کے خلاف طہران میں جلا وطن شہنشاہ کے ولی عہد کی سرکردگی میں سازش مکمل ہو چکی تھی۔ قبائلیوں میں روپیہ تقسیم کیا گیا۔ تاکہ وہ رضا خاں کے بریگیڈ کے خلاف جنگ کر سکیں۔ ایران کی رائے عامہ ایک دفعہ پھر بدل چکی تھی۔ محمرّہ کی مہم کے بعد جب رضا خاں طہران پہنچا۔ تو اہل طہران نے رضا خاں اور اس کے بریگیڈ کا شاندار خیر مقدم کیا۔ "زندہ باد سردار سپاہ" کے نعروں سے طہران کی فضا گونج اٹھی۔ اب ایران کے ملّا بھی سردار سپاہ سے صلح کرنے پر آمادہ دکھائی دیتے تھے۔ آوارہ درویشوں نے ایران کے طول و عرض میں اطلاع کر دی۔ کہ رضا خاں کربلائے معلیٰ کی زیارت کر چکا ہے۔ اس لئے اب امام مقدّس کا سایہ اس کے سر پر ہے۔ شاعروں نے رضا خاں کے مدحیہ قصائد لکھے۔ جن میں انہوں نے اسے جولیس سیزر اور سکندر اعظم کا ہم مرتبہ ظاہر کیا۔ جب یہ جلوس طہران کے بڑے بازار میں پہنچا۔ تو ایک عالم نے رضا خاں کا شجرہ نسب قدیم ایران کے شاہ دارا سے ملایا۔ مکانوں کے باہر خوبصورت پردے لٹک رہے تھے۔ سارے طہران میں صرف ایک مکان کسی تاریک قبر کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ . . . کاخ بوستاں۔ سارے طہران میں صرف ایک شخص مغموم دکھائی دیتا تھا . . . ولی عہد!

وقت آگیا تھا۔ کہ آخری قاچار اور اُس کے حامیوں کی تقدیر کا فیصلہ کیا جائے پارلیمنٹ کے ارکان کو جنرل ہیڈ کوارٹرز میں بلا کر رضا خاں نے انہیں بتایا۔ کہ وہ اب شاہی خاندان کی سازشوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ پارلیمنٹ نے ایران کی تمام فوجوں کی کمان ولی عہد سے چھین کر رضا خاں کے حوالے کر دی۔ اور ساتھ ہی نوجوان ولی عہد کو ہدایت کر دی۔ کہ وہ آیندہ ایران کے سیاسی مسائل میں دخل نہ دیا کرے۔ گذشتہ سال کی طرح پارلیمنٹ کے ان فیصلوں کے خلاف ایرانی عوام نے کسی قسم کا ایجی ٹیشن نہ کیا۔

۱۹۲۴ء کے موسم خزاں میں ایران کی فصلیں خراب تھیں۔ ملک کو ایک مصیبت کا سامنا تھا۔ اس موقعہ پر رضا خاں کے مطابق دشمنوں نے اس کا ساتھ دیا۔ کاخ لوستان کا ہر فرد سردار سپاہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

موسم بہار کے آغاز میں ترکمانوں کے خون میں پھر حرارت پیدا ہوئی۔ وہ اپنے قاچاری ولی عہد کو بچانے کے لئے میدان جنگ میں کود پڑے۔ انہوں نے خراسان اور مازندران کو روند ڈالا۔ فردوسی کی قبر نے آخری مرتبہ ایران اور توران کی جنگ کو دیکھا۔ صدیوں سے خراسان میں ایرانی تورانیوں سے شکست کھاتے چلے آرہے تھے۔ لیکن ۱۹۲۵ء کے موسم بہار میں ایران نے توران پر فتح پائی۔ جس میدان جنگ میں رستم نے توران کو شکست دی تھی۔ اسی میدان میں رضا خاں نے قاچاری

خاندان کے حامی ترکمانوں کو شکست دی۔ ترکمانوں نے ہتھیار ڈال دئیے اور رضا خاں کے سامنے حلف وفاداری اُٹھایا تین ہزار سال سے کسی ایرانی کو یہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ رضا خاں نے ان قبائل کی جانی اور مالی حفاظت کا پورا پورا ذمہ لیا۔

رضا خاں ۱۹۲۵ء کے موسم خزاں تک قبائل کو غیر مسلح کرنے میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر یلغار کرتا رہا۔ تھوڑی مدت میں قبائلی ترکمانوں کا زور ٹوٹ گیا۔ رضا خاں نے ترکمانی علاقوں میں نئے نئے گورنر مقرر کئے۔ ان گورنروں کی مدد کے لئے غیر ملکی ماہرین مالیات بھیجے گئے۔ اس مہم کے بعد جب رضا خاں طہران پہنچا۔ تو جاگیرداروں اور قبائلی بغاوتوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اب نہ قبائل تھے نہ ڈاکو اور نہ جاگیردار۔ ۔ ۔ ۔ ایران متحد ہو چکا تھا۔ صدیوں کے بعد ایک فرد واحد کے ہاتھ میں ایران کا سارا اقتدار تھا۔ اب سردار سپاہ کے سامنے بریگیڈ بھی کانپ رہا تھا۔

۱۹۲۵ء میں رضا خاں کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی۔ کہ اب ایران کے طول و عرض میں کوئی شخص اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رضا خاں اب ایران کا ڈکٹیٹر تھا۔

ایرانی نظام حکومت کے ۳۵ ویں آرٹیکل میں لکھا ہے "کہ مملکت ایران ایک

ریاست ہے۔ جسے ایران کے لوگوں نے شاہ کے حوالے کر رکھا ہے۔"

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو ایران کے لوگوں نے شاہ سے اس ریاست کے واپس لئے جانے کا مطالبہ کیا۔ پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا گیا۔ پارلیمنٹ کے صدر نے بلند آواز سے پڑھا:۔

"جمہور کی بہتری کے لئے مجلس شورائے ملی اعلان کرتی ہے کہ آج سے قاچار شاہی کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اور آئینی حدود میں رہتی ہوئی مجلس شورائے ملی عارضی حکومت کو رضا خاں کے سپرد کرتی ہے۔ آئینی حکومت کو ایک دستوری اسمبلی بنائیگی۔ جو اس مقصد کے لئے دستور ایران کے آرٹیکل ۳۶، ۳۷، ۳۸ اور ۴۰ میں ترمیم کریگی۔"

مجلس شورائے ملی کے ایک سو پندرہ نمائندوں نے ووٹ دئے۔ ۸۰ ووٹ اس قرار داد کے حق میں تھے۔ پانچ مخالف اور تیس غیر جانبدار۔ اب رضا خاں ایران کا مختار مطلق تھا۔ ایران کے مستقبل میں کیا ہے؟ شاہیت یا جمہوریت؟ رضا خاں ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ اس کے ذہن میں کش مکش تھی۔ کہ وہ کمال پاشا کی تقلید کرے۔ یا ابن سعود کی۔

اگلے دن ولی عہد کاخ گلستان سے پیرس روانہ ہوا۔ تاکہ اپنے بھائی احمد شاہ کی جلا وطنی میں شریک ہو سکے۔ شاہی خاندان کے افراد کو جلا وطن نہ کیا گیا۔ ان کی

جاگیریں اور خطاب ان کے پاس رہے۔

ایران کے مختلف شہروں سے رضا خاں کو پیام پہنچنے شروع ہوئے۔ کہ وہ ایران کا تاج و تخت سنبھال لے۔ ایران میں جمہوریت کے حامی بہت کم تھے۔ ہر شخص شاہیت کی تجدید چاہتا تھا۔ خالی تخت طاؤس سے امیر و کبیر اور فوجی افسر بھی رنجیدہ تھے۔

دسمبر ۱۹۲۵ء میں مجلس شورائے ملّی کے نمایندے طہران میں جمع ہوئے تاکہ ایران کا آیندہ دستور تشکیل کر سکیں۔ ۱۲ دسمبر کو پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ شیخ محمرہ بھی عربستان کی طرف سے نمایندہ کی حیثیت میں شریک تھا۔ صدر اجلاس نے قرارداد پیش کی۔

"جمہور کے نام پر: مجلس شورائے ملّی سردار سپاہ رضا شاہ کی خدمت میں ایران کی شاہیت پیش کرتی ہے۔ یہ شاہیت رضا شاہ کے خاندان میں بطور وراثت ہوگی۔ شاہ کا سب سے بڑا لڑکا وارث ہوگا۔ نرینہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں شاہ اپنا جانشیں مقرر کرے گا۔ پارلیمنٹ اس جانشین کی منظوری دے گی۔ قاچاری خاندان کا کوئی فرد کبھی تخت ایران کا دعوی دار نہیں ہوسکتا۔ ولی عہد اس وقت تک تخت پر نہیں بیٹھ سکتا۔ جب تک اس کی عمر اکیس سال نہ ہو جائے۔ ولی عہد کے نابالغ ہونے کی صورت میں پارلیمنٹ ایک والی منتخب

کرے گی ۔ لیکن یہ ولی خاندان قاچار کا کوئی فرد نہیں ہو سکتا۔ شاہ، ولی عہد اور دلی کو پارلیمنٹ کے سامنے آیئن ایران کی پابندی کا حلف اُٹھانا پڑیگا۔

دوسو ساٹھ ووٹوں میں سے ۲۵۷ ووٹ رضا خاں کے حق میں دیئے گئے۔ رضا خاں اب ایران کا شہنشاہ تھا۔ جن تین ممبروں نے رضا خاں کو ووٹ نہیں دیئے تھے۔ وہ ایران کی ریڈیکل سوشلسٹ پارٹی کے ارکان تھے۔ ریڈیکل سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر سلیمان نے اجلاس میں کہا۔ کہ وہ اور اس کی پارٹی رضا خاں کے انتخاب کی تصدیق کرتی ہے۔ لیکن انہوں نے رضا خاں کو اس لئے ووٹ نہیں دئے تھے کہ سوشلزم میں شاہی وراثت کی قائل نہیں ہے۔

رضا خاں پلیٹ فارم پر چڑھا۔ تمام نمایندے کھڑے ہو گئے۔ ہاتھ میں قرآن لئے ہوئے رضا خاں نے حلف وفاداری اُٹھایا۔

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر حلف اُٹھاتا ہوں۔ کہ میں ایران کی آزادی کی حفاظت کے لئے اپنی ساری قوت صرف کر دونگا۔ میں جمہور کے حقوق کی نگہبانی کرونگا۔ اور اسی آیئن کے مطابق حکومت کرونگا۔ میں اپنے دین کی تبلیغ کے لئے کام کرونگا۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں۔ کہ میں ایران اور ایرانیوں کی خوشحالی کے لئے جد وجہد کرونگا۔ اس مقصد کے لئے میں خدا کی مدد اور علمائے اسلام کے تعاون کی آرزو رکھتا ہوں۔"

اس حلف وفاداری کے بعد "رضا شاہ زندہ باد" کے نعرے بلند ہوئے۔ شام کے وقت طہران میں چراغاں کیا گیا۔ غریبوں میں کھانا تقسیم کیا گیا۔ حکومت ایران نے اعلان کیا۔ کہ شہنشاہ کا خاندانی لقب پہلوی ہوگا۔ صدیوں پہلے زرتشت اور ساسانیوں کی زبان پہلوی تھی۔ طہران میں طلوع آفتاب تک جشن منائے گئے۔ تین ہزار سال کی ایرانی تاریخ میں شاہی خاندان کی تبدیلی اس طرح بغیر خون بہائے نہیں ہوئی تھی۔

پانچ اپریل ۱۹۲۶ء کو رضا خاں پہلوی شہنشاہ ایران کی حیثیت سے تخت ایران پر جلوہ افروز ہوا۔ اس موقع پر ہندوستان، عرب، مصر، ترکی، برطانیہ اور سوویٹ روس سے مہمان آئے۔ بیس دن تک جشن تاجپوشی کی تقریبیں ہوتی رہیں۔

دورِ پہلوی

طہران کے قریب اس شاہراہ پہ جو کوہستان البرز کو جاتا ہے۔ رضا شاہ پہلوی کا گرمائی صدر مقام سلطان آباد واقع ہے۔ رضا شاہ اسی مقام سے حکومت کرتا ہے محافظ یورپی وردی پہنے ہوئے قدم قدم پر دکھائی دیتے ہیں۔ جب رضا شاہ اپنے محلوں میں گھومتا ہے۔ تو اس کی آنکھوں میں شباب کی چمک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے چہرے پر جھریوں کا نام نشان نہیں۔ چند سفید بالوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ سپاہی کتنا طویل سفر کر چکا ہے۔ وہ جوش و خروش جو رضا خاں میں پایا جاتا تھا رضا شاہ میں بھی موجود ہے شاہ چار گھنٹوں سے زیادہ نہیں سوتا۔ باقی وقت وہ ملک کے کاموں کی دیکھ بھال میں صرف کرتا ہے۔

دن رات شاہ اپنی میز پر کام میں مصروف رہتا ہے۔ ان جرنیلوں اور سیاست دانوں کی یہ چال کہ وہ ڈکٹیٹر کے سر پر تاج رکھ کر اسے امورِ سلطنت سے غافل رکھ سکیں گے کامیاب نہ ہو سکی۔ رضا شاہ ایران کا شہنشاہ ہونے کے باوجود ایک بہت بڑا مدبر ہے۔ وہ بذاتِ خود وزیروں سے ملاقات کرتا ہے۔ ریاست کے سارے کام کاج کی خود نگرانی کرتا ہے۔ ایک دن وہ کسی وزارت کے دفتر میں گیا۔ اور دیکھا کہ چند ضروری کاغذات بے پروائی سے ایک کونے میں بنڈل کی صورت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے نظر بچا کر اس بنڈل کو اُٹھا لیا۔ اگلے دن شاہ نے ان کاغذات کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ وزیر دن بھر پریشان رہا۔ رضا شاہ نے یہ کہہ کر کاغذات واپس کر دئے۔ کہ وزیر کو ذمہ داری کا احساس ہو چکا ہے۔ وہ پیٹر اعظم کی طرح ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے۔ ہر کام کو اپنے ہاتھ سے کرنا چاہتا ہے۔ وہ عصرِ حاضر کے ہارون الرشید کی طرح رات کے وقت شاہی محلوں سے نکل کر موٹر میں میلوں دُور چلا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے نظامِ حکومت کا جائزہ اپنی آنکھوں سے لگا سکے۔ بعض اوقات ان شبینہ دوروں میں رضا شاہ کے ساتھ وزیر ہوتے ہیں۔ اور بعض دفعہ وہ تن تنہا چوروں اور ڈاکوؤں کی بیخ کنی کیلئے سلطان آباد سے میلوں دور چلا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ ایک شہر میں کوئی سیاسی مجرم تھا۔ جسے موت کی سزا دی جا

چکی تھی۔ لیکن وہاں کے مقامی حاکم میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ اسے پھانسی پر لٹکا سکتا۔ حالانکہ حکومت ایران کی طرف سے بارہا اسے تختۂ دار پر لٹکائے جانے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ ایک رات رضا شاہ موٹر پر سوار ہوکر اس شہر میں جا نکلا۔ صبح کے وقت اس مجرم کو موت کی سزا دی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی حاکم شہر کی نعش بھی دکھائی دے رہی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ درباری جرنیل اور عہدے دار سب کے سب رضا شاہ کے خوف سے کانپتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو شاہ کے حضور میں پیش ہونے کے لئے کہا جاتا ہے۔ تو وہ اپنے طور پر آخری فیصلہ سننے کے لئے شاہ کے حضور میں چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ بریگیڈ کے بڑے بڑے افسروں کا بھی شاہ کے سامنے جاتے ہوئے خون خشک ہوتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کہ شاہ صرف جسمانی لحاظ ہی سے ایک دیو ہے۔ بلکہ معلومات کے پیش نظر اس سے ایران کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی۔ وہ ایران اور ایرانیوں کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔ وہ ریاست کے پیچیدہ مسائل کو بڑی آسانی سے سلجھا سکتا ہے۔ شاہ کے سامنے ایرانی مدبروں کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ شاہ کے فرائض ہمہ گونہ ہیں: فوج کا افسر اعلیٰ، سیاست دان اور مدبر۔ وہ صبح سات بجے کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔ جب اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی شعبہ میں بدنظمی ہے۔ تو پھر وہ کسی قسم کے رحم کو کام میں نہیں لاتا۔ رضا شاہ

پہلوی کو ایران کی اس پرانی رسم سے کوئی لگاؤ نہیں۔ جس کی بنا پر افسر اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے دولت پیدا کرتے تھے۔ شاہ صبح سات بجے سے دس بجے تک کام کرنے کے بعد ناشتہ کرتا ہے۔ اس کے بعد شاہ موٹر پر سوار ہو کر روزانہ کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ کسی نئے سکول کے طالب علموں کے سامنے تقریر کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی کسی کارخانے میں بھی چلا جاتا ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہے

ہر چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کی آرزو شاہ کے لئے کبھی کبھی تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ ایک دفعہ شاہ شیراز میں کھانڈ کے لئے کارخانے کو دیکھنے گیا۔ اس نے اس بات پر اصرار کیا۔ کہ بڑی مشین کو اس کے سامنے چلایا جائے۔ ایک یورپی انجنیئر کے ساتھ شاہ نے تمام پلانٹ کا معائنہ کیا۔ اس کی پوری طرح سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ایک بڑی مشین کو اپنے ہاتھ سے چلانا چاہا۔ تمام انتباہی اعلانوں سے قطع نظر شاہ نے مشین چلانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ لیور کے حرکت میں آتے ہی مشین چل پڑی۔ مشین اتنی تیزی سے چلی۔ کہ شاہ کا ایک ہاتھ اس میں آگیا۔ اس امر کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ کہ شاہ کو نہ صرف اپنا بازو کٹوانا پڑے گا۔ بلکہ اس کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔ انجنیئر نے اطلاع پاتے ہی شاہ کو اپنی طاقت سے ایک طرف دھکیل دیا۔ چند لمحوں بعد شہنشاہ کے باڈی گارڈوں نے بیچارے انجنیئر کو

بُری طرح سے پیٹنا شروع کیا۔ انہیں یہ شک تھا۔ کہ انجنیئر نے دانستہ طور پر شاہ کی جان لینے کے لئے یہ کارروائی کی ہے۔ جب شاہ کو ہوش آیا۔ تو اُس نے باڈی گارڈوں کو اصل ماجرے سے آگاہ کیا۔ اور انجنیئر سے معافی مانگی۔ اِس کے باوجود طہران میں یہ خبر پھیل گئی تھی۔ کہ ایک یورپی انجنیئر نے شاہ کی جان لینے کی کوشش کی۔ شاہ کے محل کے باہر ہجوم تھا۔ یہ ہجوم طہران کے یورپین کوارٹرز کی طرف جانا چاہتا تھا۔ کہ شاہ نے ان لوگوں کی اصل حالات سے باخبر کیا۔

شاہ کو ہوائی جہازوں کا بہت زیادہ شوق ہے۔ جب بغداد سے طہران تک فضائی سروس جاری ہوئی۔ تو شاہ ہر روز طہران کے ہوائی اڈے میں دکھائی دیتا تھا۔ شاہ ہوائی جہاز کے ہر پرزے کے متعلق واقفیت حاصل کرتا۔ شاہ ان پہلے ایرانیوں میں سے تھا جنہوں نے فضائی سفر کیا تھا۔ عام طور پر رضا شاہ ہوائی جہاز ہی کے ذریعہ ایران کا دورہ کرتا ہے۔ ایران میں ہوائی جہاز بالکل ایک نئی چیز تھی۔ اس کے علاوہ لوگوں کا یہ خیال تھا۔ کہ ہوائی جہاز کے سفر میں جان کا خطرہ ہے۔ جب ایران کے افسروں کو فضائی دورے کے لئے کہا جاتا۔ تو اُن میں اکثر بیماری کا بہانہ کرتے۔ لیکن اُن کا یہ بہانہ تراشی کام نہ آئی۔ آہستہ آہستہ ان میں ہر ایک افسر کو فضائی سفر کرنا پڑا۔ شاہ کا مقصد یہ تھا۔ کہ ان ایرانی افسروں کو جو موٹر پر سوار ہو کر دورے کرنے کے عادی تھے۔ انہیں بتایا جائے۔ کہ

ہوائی جہاز سے کتنے وقت کی بچت ہو جاتی ہے۔

شاہ دوپہر سے پہلے تھوڑا سا وقت اپنے افراد خاندان میں بسر کرتا ہے۔ تین بجے محل میں ملنے والوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ ان سے ملاقات کرنے کے بعد شاہ موٹر پر سوار ہو کر کسی وزارت کے دفتر، کارخانے یا فوجی بارکوں میں چلا جاتا ہے انتہائی مصروفیتوں کے باوجود شہنشاہ ہر روز چند گھنٹے فوج کی دیکھ بھال پر صرف کرتا ہے۔ وہ طہران میں مقیم فوج کے ہر سپاہی کو جاننا چاہتا ہے۔ وہ فوجی قواعد دیکھتا ہے۔ فوجی بارکوں کی معمولی سی معمولی چیز کا معائنہ کرتا ہے۔ فوجی افسروں سے بات چیت کرتا ہے۔ رات کو شاہ لکھنے پڑھنے میں مصروف ہو جاتا ہے مطالعہ کے کمرے میں شاہ اپنے حسین ترین خواب کی تعبیر پر غور کرتا ہے۔ وہ اس نقشہ پر گھنٹوں غور کرتا ہے۔ جس میں ایران کی ریلوں کا پروگرام تیار کیا گیا ہے۔ بارہا آدھی رات کے وقت وہ اپنے ملازم کو موٹر کار تیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ محو خواب طہران سے نکل کر وہ شبینہ دوروں پر روانہ ہو جاتا ہے۔

ہر کس و ناکس کی زبان پر شاہ کی تعریف ہے۔ وہ بہت رات گئے سوتا ہے اور صبح سات بجے پھر کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔ بریگیڈ میں وہ ذاتی حیثیت سے جاتا ہے۔ رات کے وقت وہ افسر جو جنرل رضا خاں کے ساتھ مصیبتیں برداشت کر چکے ہیں۔ محل میں جمع ہوتے ہیں۔ اس اجتماع میں بڑے مزے کی باتیں ہوتی ہیں

وہ لوگ ہر دن کے وقت اس کے نام سے کانپتے ہیں۔ رات کو اُس کے ساتھ دنیا بھر کی باتیں کرتے ہیں۔ ان بے تکلفیوں کے باوجود شاہ تنہائی میں کھانا کھاتا ہے جب شاہ کھانے میں مصروف ہوتا ہے۔ تو کسی شخص کو ملنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ ہر جمعہ کو شاہی سلام کے لئے عوام کے سامنے آتا ہے۔

۱۹۲۶ء کے موسم گرما میں طہران نے ایک سنسنی پیدا کرنے والا نظارہ دیکھا۔ ایک موٹر میں صدر پولیس میدان سپاہ سے نکل کر طہران کے ایک بہت بڑے قہوہ خانہ کی طرف جا رہا تھا۔ موٹر رکا! لوگ حیران تھے۔ یہ حیرانی صدر پولیس کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لوگ صدر کی بیوی کو بے پردہ دیکھ کر حیران تھے۔ صدر پولیس موٹر سے اترا اور اپنی بیوی کو سہارا دے کر موٹر سے اتارا۔ یہ جوڑا قہوہ خانہ میں داخل ہوا۔ ایک لمحہ بعد صدر پولیس کی بیوی نے قہوہ اور کیک کا آرڈر دے رہی تھی۔ یہ ایک سنسنی تھے جسے اخباری نمایندوں نے چہار اکناف عالم تک پہنچا دیا۔ صدر پولیس کا یہ فعل ذاتی نہیں تھا بلکہ اسے سرکاری طور پر ایسا کرنے کو کہا گیا تھا۔

قہوہ خانہ میں ایک ایرانی خاتون کی آمد ایران میں آزادیٔ نسواں کا پیش خیمہ تھی آہستہ آہستہ عورتوں کو اس امر کی اجازت مل گئی۔ کہ وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔ ایرانی خواتین کی یہ مغرب زدگی شاہی محلات میں بھی جا پہنچی رضا شاہ کی دونوں بیویاں بے پردہ عوام میں آنے لگیں۔ چھوٹی ملکہ بے پردگی کی حالت میں قم

کی مسجد میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ مسجد کے ملا نے ملکہ کو اندر جانے سے روکا۔ اس پر علیہ حضرت نے خفا ہو کر رضا شاہ کو ٹیلیفون پر بتایا کہ اس کی بہت توہین ہوئی ہے۔ شاہ ایک تیز رفتار موٹر پر سوار ہو کر فوراً پہنچا۔ مسجد میں داخل ہو کر نمازیوں کے سامنے شاہ نے ملا کو بید مارے۔ تاریخ عالم میں یہ پہلی مثال ہے۔ کہ کسی مشرقی تاجدار نے عورتوں کی آزادی کے لیے اتنی تیزی دکھائی ہو۔ اس تیزی کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ ایران میں آزادی نسواں کی تحریک بڑے زوروں سے چل نکلی۔ لڑکیوں کے اسکول کھول دیے گئے۔ یورپی عورتوں کو ان اسکولوں میں ٹیچر رکھا گیا۔ لڑکیوں کو جسمانی تعلیم بھی دی جانے لگی۔ اس قسم کی ملکی تبدیلیاں صرف اسی صورت میں ہو سکتی تھیں۔ جبکہ رضا شاہ نے ایران کو غیر ملکی اثر و اقتدار سے پاک کر دیا ہو۔ روس اور برطانیہ اس کوشش میں تھے۔ کہ ایران میں پھر ۱۹۰۷ء والے مراعات حاصل کریں۔ رضا شاہ نے سب سے پہلے ان رعایتوں کو ختم کیا۔ ایران میں مقیم غیر ملکیوں کے فیصلے ایران میں ہونے لگے۔ ان مراعات کے ختم ہو جانے کے بعد ایک صدی کا دبا ہوا ایران پھر ابھرا۔ ایران کی داخلی حکومت کے اقتدار کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا۔ کہ تمام غیر ملکی حکومتوں نے ایران کے اس فیصلہ کو مان لیا۔ ان مراعات کے اڑ جانے سے غیر ملکیوں پر کسی قسم کا برا اثر نہ پڑا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ان غیر ملکیوں کے دلوں میں شہنشاہ کی عزت پیدا ہو گئی۔

اٹھارھویں صدی کے اختتام تک ترکی اور ایران کی تجارت برآمد تمام یورپی ملکوں

سے تھی۔ ترکی اور ایران کی تجارت برآمد کے لئے یورپ کے ملک منڈیوں کا کام دیتے تھے۔ چین اور یورپ کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے بھی ایران کی تجارت کو بڑا فروغ حاصل تھا۔ دو ہزار سال تک ملک کی اجارہ داری ایران کے قبضہ میں تھی۔ انیسویں صدی نے ایران کی کایا پلٹ دی۔ یورپی ملکوں کے سستے مال کے سامنے ایران کی گھریلو صنعت نہ ٹھہر سکی۔ غیر ملکی مراعات نے ایران کی ساری تجارت کو تباہ وبرباد کر دیا۔ ایران کی تجارت برآمد بالکل بند ہوگئی۔ اس تجارتی تبدیلی نے مشرق قریب کے دوسرے ملکوں کی طرح ایران کو یورپ کا معاشی غلام بنا لیا۔ بیسویں صدی میں جنگ عظیم کے بعد مشرق قریب کے ملکوں میں پھر معاشی تبدیلی پیدا ہوئی۔ ان ملکوں کی صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ ان ملکوں میں یورپی ملکوں کے مال کی کھپت کم ہونے لگی۔ رضا شاہ پہلوی کے زیر نگیں ایران نے بھی یورپ کی اس معاشی غلامی سے آزادی حاصل کر لی۔

ایران کے متحد کرنے کے لئے ذرائع آمد ورفت میں ترقی کی ضرورت تھی۔ مدتوں سے ایران میں سنا جا رہا ہے۔ کہ "تیز رفتاری شیطانی حرکت ہے"۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ایران میں یہ دستور تھا۔ کہ جتنا بڑا ایرانی ہوگا۔ اتنا ہی وہ سفر میں زیادہ وقت صرف کرے گا۔ اس کے قافلہ کی رفتار عام لوگوں کے قافلوں کی رفتار سے کم ہوگی لیکن ایران کے نئے عہد میں تیز رفتار قاصدوں اور ہرکاروں کا انتظام اتنا اچھا۔

تھا۔ کہ ہیروڈوٹس بھی اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ زمانۂ زوال میں ایران کے صوبے ایک دوسرے سے کٹ گئے۔ رضا شاہ نے ایران کے مختلف شہروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا۔ ایران میں سڑکیں بنائی گئیں۔ تیز رفتار موٹروں کی سروس جاری کی گئی۔ آج ایران میں موٹر کے ذریعہ انسان جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ اچھی سڑکیں بن جانے کے بعد رضا شاہ نے ایران میں ریلوے کی تعمیر پر غور کیا۔

۶ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شاہی احکام کی رو سے ترکی ٹوپی اور پگڑی کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ان کی جگہ ایرانیوں کو پہلوی ٹوپی پہننے کا حکم دیا گیا۔ رضا شاہ کو اس معاملہ میں بہت سی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ سارا ایران باغی دکھائی دیتا تھا۔ شیراز اور خوزستان کی یورشوں نے اتنی خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ کہ وہاں فوجیں بھیجنی پڑیں۔ آخرکار پہلوی ٹوپی نے ایرانیوں میں ایک مشترکہ تہذیب کی صورت اختیار کر لی۔

رضا شاہ پہلوی نے ایران میں سینماؤں کا ایک جال بچھا دیا۔ حکومت صرف فلمیں خریدتی۔ بلکہ ان کی نمائش کے لئے بھی انتظام کرتی۔ غیر ملکی فلمیں دیکھنے سے ایرانیوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی۔ کہ ان کا ملک بھی دوسرے یورپی ملکوں کی طرح ترقی کرے۔ رضا شاہ نے آہستہ آہستہ عورتوں کو پردے سے باہر کیا۔ ایران کی اس تحریکِ جدید میں رضا شاہ پہلوی نے اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا۔ کہ تحریکِ تجدید کی باگ ڈور غیر ملکیوں کے ہاتھ میں نہ دی جائے۔ چنانچہ ہر شعبہ میں کم سے

کم غیر ملکیوں کو جگہ دی گئی - تجدید ایران کا سارا کام ایرانیوں کے ہاتھوں ہوا +

اُونٹ کی جگہ آہنی گھوڑا

تمام وسطی ایشیا میں دھوپ اور ریت دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام پر انسان
زمین کی صورت بدلنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اونٹوں کی قطاریں قدرتی طاقتوں کے
سامنے انسانی کمزوریوں کو پیش کر رہی ہیں۔ صدیوں کی جنگ و دو کے بعد وسطی ایشیا
کا زیادہ حصّہ ریگستان ہے۔ ایک چھوٹے سے چشمہ پر قبضہ کرنے کیلئے خونین
لڑائیاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ پانی کا مالک زمین اور انسان دونوں کا مالک ہوتا ہے
وسطی ایران میں پانی ایک بہت بڑی نعمت ہے ایرانی کسان زمین نہیں خریدتا
بلکہ پانی خریدتا ہے۔ پانی چرانے والے کی سزا موت ہے۔ جب ایک ایرانی بہت

زیادہ مایوسی کے عالم میں ہو۔ تو کہتا ہے" انھوں نے میرے کھیت سے پانی لے لیا ہے۔

۱۹۱۳ء میں روسی مورخ پالو ویلش نے لکھا تھا:۔

"ایران مستقبل قریب کی شاہراہوں کے موڑ پر واقعہ ہے۔ شمال میں ایرانی سرحدوں سے سویٹ روس کی سرحدیں ملتی ہیں جس کی آبادی پندرہ کروڑ ہے۔ مشرق میں ایران کی سرحدیں ہندوستان سے ملی ہوئی ہیں۔ جہاں تیس کروڑ انسان آباد ہیں۔ ایران کو صرف کمزور افغانستان نے چالیس کروڑ چینیوں کی مملکت سے جدا کر رکھا ہے۔ خلیج فارس کے ذریعہ جنوبی ایران آسٹریلیا۔ مشرقی افریقہ اور ہندچینی سے ملا ہوا ہے۔ اگر ایران میں جدید ذرائع آمد و رفت ترقی کر جائیں تو ایران شاہراہوں کا مقام اتصال بن جائیگا۔"

سیاسی آزادی حاصل کر لینے کے بعد رضا شاہ پہلوی نے تجارتی آزادی کی طرف توجہ کی۔ اس نے ایران کو غیر ملکی تاجرانہ سرگرمیوں سے نجات دلانے کے لئے شمالی ایران کو جنوبی ایران سے ملانے کے لئے ایک ریلوے لائن کی تجویز نکالی۔ تاکہ شمالی اور جنوبی ایران دنیا کے دوسرے ملکوں سے آسانی کے ساتھ تجارت کرسکیں۔

ٹرانس ایرانین ریلوے کی تعمیر کا کام ۱۹۲۷ء میں شروع ہوا۔ فن تعمیر کے پیش نظر یہ کام اتنا بڑا ہے۔ جتنا نہر سویز یا پانامہ کی نہروں کی کھدائی کا۔ اس وقت

تک ایران میں کوئی قابل ذکر ریلوے لائن نہیں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اگر روس اور برطانیہ کی باہمی رقابتوں کی وجہ سے ایران ان دونوں طاقتوں میں تقسیم نہ ہو گیا۔ ہوتا تو اس قسم کی ریلوے لائن کا کام مدت سے شروع ہو چکا ہوتا سارے ایران میں ایک سو پچاس کلومیٹر ریلوے لائن شمالی ایران میں روسیوں کے قبضہ میں تھی اور اسی طرح برٹش بلوچستان سے وزد اب تک کی ریلوے لائن انگریزوں کی ملکیت تھی۔ ایران میں ریلوے لائن کے نہ ہونے سے ایران کی تجارت کو بہت زیادہ نقصان پہنچ رہا تھا۔ ان تجارتی ضروریات کے پیش نظر ٹرانس ایرانین ریلوے کی بنیاد رکھی گئی۔ دنیا کے بیشتر لوگوں کا خیال تھا۔ کہ اتنی بڑی ریلوے لائن کا بن جانا بہت مشکل تھا۔ کئی ملکوں نے ایران کو مشورہ دیا۔ کہ وہ صرف موٹر سروس کو ایران میں جاری کرے۔

رضا شاہ نے اس ریلوے لائن کی تعمیر میں سب سے بڑا کمال یہ کیا۔ کہ اس نے اس ریلوے لائن کو ایرانی سرمایہ سے بنائے جانے کا حکم دیا۔ رضا شاہ کی آنکھوں کے سامنے ان ایشیائی ملکوں کی تقدیر تھی۔ جنہوں نے غیر ملکی سرمایہ سے اپنے ہاں تجارت کو فروغ دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اسی مقصد کے پیش نظر رضا شاہ پہلوی نے تیس مئی ۱۹۲۵ء کو کھانڈ اور چائے کی اجارہ داری کو حکومت ایران کے حوالے کر دیا تھا۔ اس اجارہ داری سے حکومت ایران کے خزانہ میں بہت سی دولت جمع ہو گئی

اس دولت کو ریلوے لائن کی تعمیر پر صرف کیا گیا۔

اس ریلوے لائن کے ذریعہ بحیرہ خزر کی ایرانی بندرگاہ بندر شاہ کو خلیج فارس کی بندرگاہ بندر شاہ پور سے ملایا جائے گا۔ اس ریلوے لائن کا طول ۱۴۵۰ کلومیٹر ہوگا۔ ۱۹۲۷ء میں بندر شاہ پور سے ریلوے لائن کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ شمال اور جنوب کی لائینیں، طہران میں آکر ملیں گی۔

ہزاروں سال گزرے مشرق کے مطلق العنان بادشاہوں نے لوگوں اور ملکوں کو اس لئے لوٹا۔ کہ وہ اپنے ذوقِ تعمیر کی تسکین کر سکیں۔ اہرام مصر ہزاروں مزدوروں کی ہڈیوں پر کھڑے کئے گئے۔ انسانی زندگی کی اس قسم کی بے پروائی سے دیوارِ چین بنائی گئی۔ پہلے زمانہ کے بادشاہ اس قسم کی عمارتیں اس لئے بناتے تھے۔ کہ دوسرے ملکوں سے اپنے ملک کو علیحدہ کر سکیں۔ لیکن رضا شاہ پہلوی ایران کو مشرق و مغرب سے ملانے کے لئے ریلوے لائن تعمیر کر رہا ہے۔ اس ریلوے لائن کی تعمیر سے ایشیا میں بیداری پیدا ہوگی۔ ریلوے لائن کی تعمیر شہنشاہ کی ذات کے لئے نہیں۔ بلکہ ایران اور ایرانیوں کے لئے۔ آج جو مستقبل ایک خواب دکھائی دیتا ہے۔ کل ایک حقیقت بن کر ہماری آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔

ایران کی اس ریلوے لائن کا بین الاقوامی تجارت اور سیاست پر بہت زیادہ اثر پڑیگا۔

نئی سلطنت

ایران کے قدیم شاہی محلوں میں رہنے والوں نے سیاسی امور پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ ان حکمرانوں کے پیش نظر اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا کہ وہ رعایا کو زیادہ سے زیادہ لوٹ کر اپنے لئے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کریں۔ ان کے لئے حاکمیت اتنی آسان تھی۔ جتنی کہ کسی بلی کی کھال اتارنا۔ لیکن بلی کی کھال صرف ایک ہی مرتبہ اتاری جا سکتی ہے۔ انہوں نے اسکول، سڑکیں اور ہسپتال بنانے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی۔ انہیں باقاعدہ فوج بنانے کا بھی خیال نہیں ہوتا تھا۔ ایران کی ساری دولت شاہی

حرم سراؤں میں صرف ہوتی تھی۔ شاہ سے لے کر حکومت کے ادنیٰ ملازم تک کو سوائے لوٹ مار کے اور کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ ایران کے بڑے بڑے عہدے نیلام کئے جاتے۔ جو سب سے زیادہ بولی دیتا۔ وہ اس عہدہ کا مستحق خیال کیا جاتا۔ وزارت کی بھی بولی دی جاتی۔ بڑے بڑے عہدوں کو خرید کر یہ لوگ پھر چھوٹے چھوٹے عہدوں کو فروخت کرتے۔ تمام ایران میں صرف کسان ہی ہوتا تھا۔ جن کے پاس فروخت کرنے کو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ یہ کسان چوری چکاری کرتے یا دوسرے ملکوں کو چلے جاتے۔

قدیم ایران میں کسی حکومت کا وجود نہیں ہوتا تھا۔ ایران کے ہر صوبے کا علیحدہ قانون ہوتا تھا۔ ان صوبوں کی زبانیں بھی مختلف تھیں۔ ایران کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تباہی اور بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ صرف حرم سراؤں میں زندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ ناصر الدین شاہ کے حرم میں تین سو سے زیادہ عورتیں تھیں۔ ان میں سے ہر عورت کا ایران کے علیحدہ علیحدہ قبیلوں سے تعلق تھا۔ ان شادیوں کی نوعیت سیاسی ہوتی تھی۔ ایران کے ہر قبیلہ میں شاہ کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار ضرور موجود ہوتا تھا شاہ کے بیٹوں کو اُن قبیلوں کا گورنر بنا کر بھیج دیا جاتا۔ جن قبیلوں سے ان کی ماؤں کا تعلق ہوتا۔ اس طرح ایران کے طول و عرض میں شاہی خاندان کے افراد حکومت کرتے اور ان شہزادوں کی وفاداریوں پر شہنشاہ کی زندگی کا انحصار ہوتا تھا۔ اس نظام نے سارے ایران کو تباہ و برباد کر رکھا تھا۔ شاہ کو جب کبھی روپے کی ضرورت ہوتی۔ تو

اِسے زاید ٹیکسوں سے پورا کر دیا جاتا۔ دولت کے انبار جمع ہوتے ہی شاہ پھر امورِ سلطنت سے غافل ہو جاتا۔ صرف روپیہ کی کمی اسے گاہے بگاہے چوکنا کرتی۔ مظفر الدین شاہ نے ایران کو جو آئینی حکومت دی تھی۔ وہ ان حالات میں بالکل بے معنی تھی۔ سرکاری کاغذوں میں نمایندوں، وزیروں، گورنروں اور ججوں کے نام درج تھے۔ لیکن عملی طور پر ایران میں چند لٹیروں کی حکومت تھی۔ یہ لٹیرے لوٹ مار کے لئے آپس میں متحد تھے۔

اس قسم کی بد نظمی کے نتائج سے رضا شاہ کو بیسویں صدی کے آغاز میں دوچار ہونا پڑا۔ اس زمانہ میں ایران میں نہ کوئی نظام حکومت تھا۔ اور نہ عدالت، نہ فوج تھی۔ اور نہ پارلیمنٹ۔ صرف امیروں کی ایک ایسی جماعت تھی۔ جس کی زندگی کا مقصد رعایا کو لوٹنے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ محلوں میں رہنے والے لوگوں کو آئینی حکومت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ انہیں ایرانی ملت اور درآمد و برآمد کا پتہ تک نہیں تھا۔ انہیں جاگیرداروں کی جاگیروں کی حدود کا کوئی علم نہیں تھا۔ سرکاری طور پر ایران کی ساری زمین کا مالک شہنشاہ تھا۔

خاص خاص تقریبوں پر حکومت ایران کی طرف سے بڑے بڑے اعلان شائع ہو جاتے۔ ان اعلانوں میں فارسی شعراء کی مبالغہ آمیزیوں سے کام لیا جاتا ... "چہار اطراف عالم شہنشاہ کے قدموں پر ہیں" "ظل الٰہی کا کلاہِ مبارک سقف نیلگوں کو چھوتا ہے۔"

قاچاریوں کی حد سے بڑھی ہوئی عیاشیوں نے عوام کے سینوں میں آزادی کی تڑپ پیدا نہیں کی۔ بلکہ یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح ایران میں بھی ایک نیا بورژوا (سرمایہ دار۔ تاجر) طبقہ پیدا ہو رہا تھا۔ اس طبقہ نے ایران کی جاگیرداری کے خلاف آواز بلند کی۔ ایران کے پہلے دو انقلاب اسی طبقہ کے پیدا کردہ ہیں۔ ایران کا تجارتی طبقہ ایران کے لئے کوئی لیڈر پیدا نہ کرسکا۔ یہ لیڈر کاسک بریگیڈ کے بارکوں سے نکلا۔ تھوڑی سی مدت میں رضا شاہ نے ایران میں کئی ایک کارخانے قائم کر دئے رضا شاہ ان کارخانوں کی خود دیکھ بھال کرتا ہے۔ حکومت ایران کی صنعتی ترقیوں اور اجارہ واریوں کے پیش نظر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ مستقبل قریب میں شائد ایران ایک نیشنل سوشلسٹ اسٹیٹ بن جائے۔

ایران میں آئینی شاہیت ہے۔ تمام اختیارات پارلیمنٹ کے قبضہ میں ہیں لیکن ان اختیارات پر رضا شاہ کو پورا پورا اقتدار حاصل ہے۔ جن امیروں نے رضا شاہ کو اس لئے تاج پیش کیا تھا۔ کہ شہنشاہ بننے کے بعد وہ امور سلطنت کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑ دے گا۔ انہیں بہت زیادہ مایوسی ہوئی۔ رضا شاہ ایران کے ہر سیاسی مسئلہ کی نگرانی خود کرتا ہے۔

قاچاری خاندان کے ختم ہونے کے بعد ایران میں جاگیرداری کی عمارت گر پڑی اب رضا شاہ کو اندیشہ تھا۔ کہ سرمایہ داروں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کا نتیجہ

کہیں طبقہ وار منافرت کی صورت اختیار نہ کرے۔ اس خطرہ کے سامنے رضا شاہ پہلوی نے اقتصاد ملی کی بنیاد امداد باہمی کے اصول پر رکھی۔ تاجروں اور کسانوں کی انجمنیں ملک کی سیاست میں بہت نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ رضا شاہ پہلوی کو جب کبھی کسی مسئلہ کا سامنا ہوتا ہے۔ تو وہ ان انجمنوں سے مشورہ کرتا ہے۔

ان بنیادوں پر ایرانی سلطنت کی نئی عمارت تعمیر کی گئی۔ بے قاعدہ فوج کی جگہ اب ایران میں منظم فوج ہے۔ پولیس نے اندرون ملک میں امن امان قائم کر دیا ہے۔ قاچاریوں کے زمانہ میں فوج اور پولیس کے افسر یورپی ہوتے تھے۔ لیکن اب ان دوا داروں کے افسر ایرانی ہیں۔ ان ایرانی نوجوانوں کے لئے جو فوجی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ایران میں فوجی اسکول کھول دئے گئے ہیں۔

فوج کے علاوہ شہری محکموں میں بھی بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ ایران کے چھبیس صوبوں کے گورنر کاسک بریگیڈ کے فوجی افسر ہیں۔ تمام صوبے مرکزی حکومت کے ماتحت ہیں۔ صوبوں کی آزادی ختم کر دی گئی ہے۔ چوڑی سڑکوں کے ذریعہ ایران کے تمام صوبوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا گیا ہے۔

نظم ونسق کے سلسلہ میں بھی بہت سی تبدیلیاں کی گئیں۔ قاچاریوں کے زمانہ میں عدل و انصاف کا کوئی محکمہ نہیں تھا۔ مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے چند ملا مقرر

تھے۔ آج بھی ایران میں گناہ اور ثواب خیر اور شر کے فیصلے ملاؤں ہی کے سپرد ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایران میں مغربی قوانین بھی نافذ کردئے گئے ہیں جس طرح نپولین نے فرانس کو "آئین نپولین" دیا۔ اسی طرح رضا شاہ نے دیوانی اور فوجداری مقدموں کے فیصلوں کے لئے نئی کتاب قوانین مرتب کی۔ دس سال کی مدت میں ایران میں ہر طرف عدالتیں دکھائی دینے لگیں۔ ججوں کی تعلیم کے لئے رضا شاہ نے طہران میں ایک قانونی مدرسہ قائم کیا۔ آہستہ آہستہ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل ملاؤں کی جگہ لے لیں گے۔ کیونکہ ملا لوگ باوجود علم وفضل کے موجودہ وقت کی ضروریات کو نہیں سمجھ سکتے۔

رضا شاہ نے ایران کی مالیات میں حیرت انگیز تبدیلی کردی ہے۔ قاچاریوں کے زمانہ میں مالیات کا کوئی محکمہ نہیں تھا۔ شاہی محلوں کی عیش وعشرت پر تمام ایران کا ٹیکس خرچ ہوتا۔ ہرسال لاکھوں پونڈ شہزادوں کی عیش وعشرت پر خرچ ہوتے۔ مظفر الدین شاہ کا بیٹا ہرسال قالینوں اور مٹھائیوں پر دو لاکھ پونڈ خرچ کرتا یہ شہزادہ ہر روز نیا لباس بدلتا۔ ایرانی مورّخ نظام الاسلام لکھتا ہے۔

> شہزادے نے فارس کا سفر اسی تیزی سے کیا۔ جتنی تیزی سے ہندوستان پر حملہ آور ہوتے وقت نادر شاہ نے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ نادر شاہ جنگ کے لئے سفر کررہا تھا۔ اور یہ شہزادہ اپنی رعایا کے لوٹنے کے لئے۔

اس قسم کی ایشیائی عشرت پسندیوں کا رضا شاہ کے ایران میں وجود تک باقی

نہیں۔ رضا شاہ کے عائد کردہ ٹیکس گذشتہ ایرانی بادشاہوں کی نسبت بہت کم ہیں۔ صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ ۱۹۲۷ء میں ایران کے میزانیہ میں بچت دکھائی دی۔ سارے ایران کی دو تہائی آمدنی فوج اور اصلاحات پر خرچ ہوتی ہے۔

ایران دنیا کے ان بہت ہی کم ملکوں میں سے ہے۔ جو غیر ملکی قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ رضا شاہ غیر ملکی قرضوں کے معاملہ میں بہت زیادہ محتاط ہے۔ اسے خوب یاد ہے۔ کہ قرضوں نے قاچاریہ کے ایران کو غیر ملکی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ رضا شاہ نے مصمم ارادہ کر رکھا ہے۔ کہ جدید ایران کی تعمیر ایرانی سرمایہ اور ایرانیوں کے ہاتھ سے کی جائے گی۔

طہران کو مغربی انداز میں از سرِ نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ تمام مکان پختہ اور اونچے کئے جا رہے ہیں۔ بجلی کی روشنی سے شہر کے دور افتادہ حصوں کو روشن کر دیا گیا ہے ایرانی عورتیں نقاب کو خیرباد کہہ رہی ہیں۔ ایرانی عورتیں اس شدت سے پردہ کرتی تھیں کہ بعض دفعہ گلیوں میں خاوند کے لئے اپنی بیوی کو پہچاننا ناممکن ہو جاتا تھا۔ دوار پہلوی سے پیشتر اگر کوئی عورت نقاب اٹھائے ہوئے دکھائی دیتی تو اسے سنگسار کر دیا جاتا لیکن آج ایرانی عورتوں کو آزادی حاصل ہے۔ سرکاری طور پر ۱۹۳۳ء میں عورتوں کو نقاب سے نجات مل گئی۔ رضا شاہ کی چھوٹی بیوی اور اس کی بڑی لڑکی عوام میں بے نقاب چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ رضا شاہ نے بے نقاب ایرانی خواتین کے اجتماع کے سامنے تقریر بھی.

کی۔ ایرانی عورتوں نے نہ صرف پردہ ترک کیا ہے۔بلکہ مغربی لباس پہننا شروع کر دیا ہے۔ ایران میں ہر روز بے پردہ خواتین کا اضافہ ہو رہا ہے۔طہران کی سینکڑوں بے نقاب عورتوں نے جلوس کی صورت میں دفترِ وزارت کے سامنے مظاہرہ کیا۔ کہ طلاق کو مردوں کے لئے بہت مشکل بنا دیا جائے۔

رضا شاہ کی ایک ہی جنبش قلم نے قدیم ایران کے تمام خطابوں کو ختم کر دیا۔ اس نے حکم دے دیا۔ ہر ایرانی اپنے لئے ایک علیحدہ خاندانی نام تجویز کرے۔ رضا شاہ نے صدیوں کے شیعہ سنی جھگڑوں کو ختم کر دیا۔آتش پرستوں کو ایرانی حقوق دئے گئے۔بابیوں اور بہائیوں کو شہری آزادی دی گئی۔ ایران میں رہنے والے ترکوں۔ کردوں۔عربوں اور ایرانیوں کے امتیازات مٹا دئے گئے۔ ایرانی آئین کی رو سے جو شخص ایران میں پیدا ہو۔ اسے ایرانی حقوق مل جاتے ہیں۔ انقلاب سے پہلے شہری حقوق حاصل کرنے کے لئے شیعہ ہونا ضروری تھا۔

انقلاب اور اصلاح کے باوجود ایرانی ایک مشرقی دکھائی دیتا ہے۔ ایران میں معاشی سیاسی اور شہری تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ ایران ترقی و کامرانی کی شاہراہ پر گامزن ہے

تیمور تاش کا عروج و زوال

رضا شاہ کا عروج اس کے ہم عصروں کو کلاسیکل ڈراموں کے کرداروں کے مانند دکھائی دیا۔ ایرانیوں نے اس کے عروج کا خاموشی اور حیرت سے نظارہ کیا۔ لیکن غیر ملکی ناظر اس کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ کہ نئے شہنشاہ کی فوری کامیابی کے راز کو پائیں وہ ایک دوسرے سے اس پوشیدہ شخصیت کے متعلق دریافت کرتے۔ جو اس ڈرامہ کے پس پردہ کام کر رہی تھی۔ غیر ملکیوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی۔ کہ رضا شاہ کیونکر ایک معمولی فوجی سے ایران کا شہنشاہ بن گیا۔ ان غیر ملکیوں کو اس امر کا یقین نہیں آتا تھا کہ اتنا بڑا کام کسی فرد واحد کا ہو سکتا ہے۔ ان کے خیال میں بعض ایسے لوگ رضا شاہ

کے ساتھ ایران جدید کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ جن کا عوام کو پتہ نہیں چلتا۔ اس سلسلہ میں بہت سے لوگوں کے نام لئے گئے لیکن کسی شخص کا تعین مشکل تھا۔

طہران پر یلغار کے چند دنوں بعد یہ خیال کیا گیا۔ کہ ایران نو کا ذہنی باپ مشہور ایرانی اخبار نویس ضیاؑ الدین ہے۔ لیکن بہت جلد جب ضیاؑ الدین کو سیاسیات سے الگ ہونا پڑا۔ تو لوگوں کی رائے بدل گئی۔ ازاں بعد لوگوں نے تاج و تخت کے پیچھے چھپی ہوئی شخصیت کو طباطبائی سے تعبیر کیا۔ لوگوں میں یہ خیال عام تھا۔ کہ دس سال پہلے طباطبائی نے رضا خاں کو اس کام کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا۔ کہ طباطبائی اور رضا شاہ آپس میں ایک دوسرے سے مشورے بھی کرتے ہیں۔ اور یہ کہ بوڑھے سیاست دان کی باتوں پر جوان رضا شاہ عمل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ طباطبائی نے رضا خاں کو تاج و تخت دلانے میں بڑی مدد دی۔ لیکن بہت جلد طباطبائی کو انقرہ میں ایران کا سفیر مقرر کر دیا گیا۔ طباطبائی کو طہران سے دور پھینک دئے جانے کے بعد لوگوں کا یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا۔

آخر غیر ملکی ناظروں نے نامہ نگاروں کی مدد سے اس شخصیت کو پا لیا جو ان کے خیال میں ایران نو کی محرک تھی۔ یہ شخص فی الحقیقت ایران میں رضا شاہ کے بعد دوسرا صاحب اقتدار تھا۔ یہ شخص وزیر دربار عبدالحسین خاں تیمور تاش تھا۔

تیمور تاش نے اپنا مستقبل ایرانی کاسک بریگیڈ کے میدان قواعد میں تیار نہیں کیا تھا۔ تیمور تاش کا باپ خراساں کے بہت بڑے جاگیرداروں میں تھا۔ اس کی جاگیر

کی سرحدیں سوویٹ روس سے ملتی تھیں۔ بچپن میں اسے سینٹ پیٹرز برگ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس نے امپیریل ملٹری اسکول میں تعلیم پائی۔ تیمورتاش نے بہت سی زبانیں سیکھیں۔ مغربی یورپ کا سفر کیا۔ جب وہ ایران واپس آیا۔ تو پورا پورا وضع دار تھا۔ دوسرے امیر ایرانی خاندانوں کے افراد کی طرح تیمورتاش اپنے ساتھ مغرب کی خرابیوں کو نہیں لایا تھا۔ تیمورتاش نے جس قسم کی فوجی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے لئے ایران میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ چنانچہ تیمورتاش نے سیاسیات میں حصے لینے کا ارادہ کر لیا۔ سیاست کے میدان میں اس نے اپنی یورپی تعلیم سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ آہستہ آہستہ اُس کا اثر و رسوخ اتنا بڑھ گیا تھا۔ کہ ایران کی پہلی پارلیمنٹ کا ممبر چنا گیا۔ طہران کے باخبر اور بہترین حلقوں میں اس کی آمدورفت تھی۔ طہران میں تیمورتاش ہر دل عزیز ہو چکا تھا۔ تیمورتاش کے محل میں طہران کے ذہین لوگ جمع ہوتے۔ ایرانیوں کے علاوہ اِس اجتماع میں آرمینی، ترک اور یورپی لوگ بھی دیکھنے میں آجاتے تھے۔

سید ضیأ الدین سے تیمورتاش کے تعلقات بہت پرانے تھے۔ تیمورتاش اور اس کے ساتھیوں کے لئے سید ایک شمع ہدایت تھے۔ جب سید نے فروری ۱۹۲۱ء میں قزوین کے قریب رضا خاں سے ملاقات کی تو اس سے پہلے تیمورتاش کے مکان پر یہ سب مسائل پر بحث ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب سید ضیأ الدین کو تین ہفتوں کے بعد وزارت عظمٰی سے علیحدہ کیا گیا۔ تو طہران کا تعلیم یافتہ طبقہ حیران و پریشان ہو گیا تھا۔

ضیأالدین کی جگہ پُر کرنے کے لئے اس طبقہ نے بڑی کوشش کی۔

ایران کی سیاسی زندگی میں تیمور تاش کو بہت زیادہ تکلیفوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ پہلے ایک صوبے کا حاکم مقرر ہوا۔ اور تراں بعد بہت سے صوبوں کا حاکم اعلیٰ۔ اس نے دورانِ حکومت میں باغیوں اور راہزنوں کی سرکوبی کی۔ تیمور تاش کی ہمدردی سویٹ روس سے تھی۔ اسے انگلستان سے نفرت تھی۔ اس کے نزدیک ایران کی نجات سویٹ روس کے طرزِ کار ہی سے ہو سکتی تھی۔ روسی خیالات رکھنے کی وجہ سے رضا شاہ نے اس کی طرف توجہ کی۔ اور اسے طہران میں بلا کر کابینہ میں جگہ دی۔ جب رضا شاہ کی تاجپوشی ہونے والی تھی۔ تو تیمور تاش نے پہلوی تاج کو ہاتھ میں اُٹھایا ہوا تھا۔

بہت جلد تیمور تاش وزیر دربار بن گیا۔ اب وہ رضا شاہ کے بعد ایران کا سب سے بڑا آدمی تھا۔ اس نے ایران کے قوم پروروں کی رہنمائی اپنے ہاتھ میں لی۔ ایران کے ہر وطن دوست کے لئے تیمور تاش کی تقلید باعثِ فخر خیال کی جانے لگی۔ اس نے ایران میں لبرل کلب جاری کئے۔ یورپی انداز کے ادارے کھولے۔ ایرانی عورتوں اور جدید تعلیمی اداروں کے لئے جدوجہد کی۔ وزیر دربار ہونے کے باوجود وہ ایران کے طبقۂ حکمران کا نمایندہ بن گیا۔ اِس کا محل طہران میں روسی سفارت خانے کے قریب تھا۔ یہ محل طہران کی ذہنی ترقیوں کا مرکز تھا۔ اس کے ہاں ادیبوں، شاعروں

اور سیاست دانوں کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا۔ وہ ہر وقت ایران کی بہتری کے لئے نئی نئی اسکیمیں سوچتا رہتا۔ غیر ملکی ناظر تیمور تاش کی زندگی میں جدید ایران کی تصویر کو پلٹتے۔ غیر ملکی ڈپلومیٹوں، نامہ نگاروں اور طہران کے سیاست دانوں نے تیمور تاش کو نئے ایران کا بانی خیال کرنا شروع کر دیا۔ بعض لوگوں نے تیمور تاش کی اہمیت کو اتنا بڑھا دیا۔ کہ وہ اسے رضا شاہ کا جانشین خیال کرنے لگے۔ شاہی محلوں میں اس قسم کی اطلاعات کو افواہوں سے زیادہ وقعت نہ دی گئی۔ رضا شاہ حسب عادت تیمور تاش سے شب و روز مشورہ کرتا۔ دونوں کے تعلقات میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود تیمور تاش کو اس امر کا احساس ہو چکا تھا۔ کہ اس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ تیمور تاش کے اختیار میں تمام غیر ملکی مسائل تھے۔ اور جسے ایران کے ہر مسئلہ کی پوری پوری واقفیت تھی۔ اس کے علاوہ تیمور تاش کے ارد گرد ایسے لوگ جمع رہتے تھے۔ جو ذہنی اعتبار سے اتنے قوی تھے، جتنا بریگیڈ۔ عام لوگوں کا یہ خیال تھا کہ تیمور تاش کی پارٹی بہت جلد برسرِ اقتدار آنے والی ہے۔

بہت جلد شاہی محلوں سے اس قسم کی خبریں اڑنا شروع ہوئیں۔ جس سے عام لوگوں میں تیمور تاش کے متعلق شک و شبہ پیدا ہو گیا۔ یہ خبر عام ہو گئی۔ کہ تیمور تاش نے رضا شاہ کے خلاف ایک بہت بڑی سازش کر رکھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود تیمور تاش کے اختیارات میں ذرہ بھر کمی نہ ہوئی۔ جب ۱۹۳۲ء میں تیمور تاش یورپ

کی سیاحت پر روانہ ہوا۔ تو شاہ نے اس کے سپرد اپنی عزیز ترین ارضی دولت کر دی۔ ولی عہد محمد رضا کو تیمورتاش کے سپرد کر دیا گیا۔ تاکہ تیمورتاش اسے سوئٹزرلینڈ کے ایک اسکول میں داخل کرا دے۔

تیمورتاش دوران سیاحت میں ماسکو میں زیادہ مدت رہا۔ سرخ راجدھانی کے اس قیام نے شاہ کے دل میں شک پیدا کر دیا۔ بالشویکوں نے تیمورتاش کا شاہانہ استقبال کیا۔ تیمورتاش نے سوویٹ روس کی بہت زیادہ تعریف کی۔ ان تعریفوں کے جواب میں بالشویکوں نے تیمورتاش کو مشرق کا سب سے بڑا مدبر ظاہر کیا۔ سوویٹ روس اور تیمورتاش کے ان تعلقات کو اس لئے بری نگاہوں سے دیکھا گیا۔ کہ اس زمانہ میں رضا شاہ برطانیہ سے دوستانہ تعلقات پیدا کر رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اس وقت شاہ اور وزیر علیحدہ علیحدہ صدائیں بلند کر رہے تھے۔ وزیر دربار سوویٹ روس کی تعریف میں مصروف تھا۔ اور شاہ برطانیہ سے نئے انداز میں دوستی پیدا کرنا چاہتا تھا۔ سوال یہ تھا۔ کہ کس کی آواز دبا دی جائے گی!

تیمورتاش کی آواز دب گئی۔ واپسی پر شاہی محلوں میں حیرت نے جگہ لے لی۔ جب یہ معلوم ہوا۔ کہ وزیر دربار کو نہ صرف معزول کر دیا گیا ہے۔ بلکہ وہ زیر حراست ہے۔

طہران محو حیرت تھا۔ ایک حلقہ کی یہ اطلاع تھی۔ کہ تیمورتاش نے شاہ کے خلاف ایک سازش کی تھی۔ اسی اثنا میں شاہ نے تیمورتاش کے مقدمہ کی سماعت کیلئے ایک

خاص جوڈیشل کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن کو سازش کا پتہ لگانے میں ناکامی ہوئی تیمورتاش کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل سکا۔ آخرکار تیمورتاش کے خلاف رشوت ستانی کا الزام لگایا گیا۔ تیمورتاش کو اس کے بڑے عہدہ کے پیش نظر سزائے موت کی جگہ تین سال قید اور سولہ ہزار پونڈ جرمانہ کی سزا دی گئی۔

عبدالحسین تیمورتاش کو طہران کے نئے جیل میں رکھا گیا۔ یہ جیل چند سال پیشتر اس لئے تیار ہوا تھا کہ یورپی مجرموں کو اس میں بند کیا جائے گا۔ اس جیل کے مکمل ہو جانے پر تیمورتاش نے ایران کی جدید اصلاحات کے متعلق ایک زوردار تقریر کی تھی تیمورتاش کو بھی اسی جیل میں رکھا گیا۔ اب تیمورتاش کو اس نئے جیل کی آرام دہ زندگی کا تجربہ ہونے والا تھا۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک جیل میں نہ رہ سکا۔ سرکاری اطلاع کے مطابق اس کی موت دل کی حرکت بند ہونے سے ہوئی۔ عام افواہ یہ تھی۔ کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔

یہ ہے انجام ایران کے ایک بہت بڑے آدمی کا۔ "شاہ صرف شیر کے دانت دکھانے کے لئے مسکراتا ہے۔"

تیمورتاش کے واقعہ کے بعد درباری اور وزیر رضا شاہ سے خائف ہونا شروع ہوئے۔ اس کے بعد شاہ نے کسی وزیر پر اعتماد نہیں کیا۔

مستقبل کا راستہ

اپنی تمام اسکیموں پر عمل کرتے وقت رضا شاہ کو اس امر کا پورا خیال رہتا ہے۔ کہ وہ مشرق کی ایک قدیم ترین متمدن قوم کا سردار ہے۔ اس کی رگوں میں خالص ایرانی خون ہے اس کی روح سعدی کے پند اور حافظ کے جوش و خروش سے متاثر ہے۔ وہ ریاستی امور سے تھوڑا وقت نکال کر شعر و شاعری کے مطالعہ پر صرف کرتا ہے۔ ایرانی ادب کو متحد کرنے کے لئے شاہ کی سرپرستی میں ایران کا سب سے بڑا ماہنامہ "ارمغان" شائع ہوتا ہے اس کے علاوہ شاہ انجمن ادب ایران کا بانی ہے۔ وقتاً فوقتاً شاہ اس انجمن کے جلسوں میں شریک ہوتا ہے۔ رشید اور ادیب الملک کے اشعار سنتا ہے۔ رضا شاہ نے قدیم اور جدید ایران کو منسلک کر رکھا ہے۔ قدیم ایرانی شہنشاہوں کی طرح رضا شاہ تلوار کا

دھنی ہونے کے باوجود علم وادب سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ اپنی تقریروں میں حافظ، سعدی، رودکی، دقیقی، خیام اور فردوسی کے اشعار کا حوالہ دیتا ہے۔

رضا شاہ پہلوی ایران میں نئے ادب کی تحریک کا بانی ہے۔ وہ علم وادب کا مربی ہے۔ ایرانی تمدن میں ادبیات کو بہت زیادہ دخل ہے۔ سارا ایران ایک نغمے میں گم ہے۔ ایرانی اسی نغمے سے اپنی زندگی کیلئے حرارت پیدا کرتا ہے۔ اس کی ہر خواہش اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ ایران کا ہر کسان، ہر کاریگر، اور ہر بدوی ایرانی شاعروں کو جانتا ہے۔ ایران ایک شعر ہے۔ ایران کو سمجھنے کے لئے انسان یا تو شاعر ہو۔ یا شعر و ادب کا مربی۔ رضا شاہ ایرانی شعر و ادب کا مربی ہے۔ رضا شاہ نے فردوسی کی ہزارویں سالگرہ کا جشن نہایت ترک و شان سے منایا۔ صدیوں سے شاعروں کی قبریں ایرانیوں کے لئے مقامات مقدسہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ امیر اور غریب ایک ہی جذبہ کے ماتحت حافظ کے مزار پر جاتے ہیں صدیوں سے شاعروں کی قبریں مسمار ہو رہی تھیں۔ ایک دن رضا شاہ کے حکم سے ایرانی افسر شیراز پہنچے۔ اگلے دن سعدی اور حافظ کی قبروں پر گنبد تیار ہو گئے تھے۔ شاہ کو سب سے زیادہ عقیدت فردوسی سے ہے۔

فردوسی ایک دیوتا ہے۔ جسے ایران کبھی نہیں بھول سکتا۔ شاہنامہ لکھنے والا فردوسی ایرانی زبان کا ناخدا۔ فردوسی طوس میں پیدا ہوا۔ اور طوس ہی میں مرا۔ فردوسی ہی کے مقبرہ پر کرنل رضا خاں کو انقلاب روس کی اطلاع ملی تھی۔ سرقد شاعر پر اس لئے جد بدایران

کے لئے ارادہ کیا۔ جدید ایران کا خیال اسی مقام سے ہوا۔ جہاں ہزار برس پہلے جدید ایرانی نے جنم لیا تھا۔ رضا شاہ نے فردوسی کی ہزار دیں سالگرہ کے موقعہ پر اس کی قبر پر ایک بہت بڑا گنبد تعمیر کرایا۔ اس موقعہ پر دنیا کے ہر گوشہ سے مہمانوں کو بلایا گیا۔

۱۲ مارچ ۱۹۳۵ء کو حکومت ایران نے حکم دیدیا۔ کہ آیندہ پرشیا کو ایران کہا جائے۔ ظہور تاریخ کے زمانہ میں پرشیا کو ایران کہا جاتا تھا۔ رضا شاہ کا ایران وہاں سے شروع ہوا۔ جہاں پر زرتشت نے اسے ختم کیا تھا۔ اسلام سے قبل کا ایران ایک مرتبہ پھر بیدار ہو رہا ہے۔ سیاح کو ایران پہنچ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ ایران کی مشرقیت کہاں غائب ہو گئی؟ ٹھیک ہے کہ ایران میں تحریک افرنگ کا بڑا زور ہے۔ لیکن ایران کا دل اور دماغ دونوں مشرقی ہیں۔ حکومت ایران اس کوشش میں ہے۔ کہ قدیم پہلوی تمدن کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔ ان سب باتوں کے باوجود ایران شعر و شاعری کی سرزمین ہے۔ ایک تمرکی "ریڈر" کے اسباق کے عنوان مندرجہ ذیل ہیں:-

"کامرانی .... بہروں نے ہمارے دشمنوں کو غرق کر دیا .... ہمارا جنگی بیڑا .... بہادروں کی موت اور فتح .... ہم لڑکیاں بھی سپاہیوں کی طرح مرنا چاہتی ہیں .... ایک جنگی زوجہ کی کہانی .... کٹے ہوئے بازو والا لوہار .... گردن بریدہ شیر .... اس کتاب کے خاتمہ پر افسانہ نگاری کے متعلق ایک مضمون ہے"

ایرانی ریڈر کے مندرجات کے عنوان یہ ہیں:-

"گلِ سرخ و برگِ سبز .... اچھا لڑکا باغ میں باپ کی مدد کر رہا ہے .... لوہے

کے فائدے . . . چیچک کا ٹیکہ . . . زندگی کا انحصار پانی پر ہے . . . بہار . . . دانت صاف کرو "

رضا شاہ دن رات اس کوشش میں رہتا ہے ۔ کہ سیاسی، مجلسی اور معاشی طور پر ایران جلد سے جلد ترقی کرتا جائے ۔ ایران کی حکومت صحیح معنوں میں خالص ایرانی حکومت ہے ترکی میں صرف حکومت کے بنک ہیں ۔ لیکن ایران میں پرائیویٹ بنکوں کی کمی نہیں ہے طہران اور ایران کے دوسرے شہروں میں اس قسم کے بہت سے بنک ہیں ۔ ان سب سے بڑا پہلوی بنک ہے ۔ یہ بنک ایرانی مصنوعات کی ترقی میں بہت مددگار ثابت ہو رہے ہیں ایران کی ترقی انفرادی ملکیت کی آزادی پر مبنی ہے ۔ لیکن ترکی میں آمریت بڑھ رہی ہے ۔ انفرادی ملکیت سے چلنے والوں اداروں کی جگہ ریاست کے کارخانے لے رہے ہیں ۔

مستقبل ؟

ایران کا مستقبل اس کے ماضی پر تیار کیا جا رہا ہے ۔ اس کی تقدیر کی باگ ڈور ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے ۔ جو بیک وقت سپاہی، مدبر اور مفکر ہے ۔ ایران کا مستقبل شاندار ہے ۔ قدیم سرزمین سے ایک نئی قوم اور ایک نیا تمدن سر نکال رہا ہے +

ضمیمہ

رضا شاہ کی تاج و تخت سے دست برداری

اگست ۱۹۴۱ء میں جنرل موسلسور تھ نے تقریر کی کہ اتحادیوں کو مختلف ممالک میں جرمن ففتھ کالم کا نہایت تلخ تجربہ ہے۔ عراق اور شام میں ان کی سرگرمیوں نے بہت مشکلات پیدا کیں۔ اس لئے ہم نے ایران میں جرمنوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خطرہ محسوس کیا۔ وہاں جرمن نہ صرف تاجر۔ سائنس دان اور سیاح موجود ہیں۔ بلکہ اہم صنعتوں۔ رسل و رسائل کے محکموں، تار، ریلوے اور دیگر اچھی پوزیشنوں پر فائز ہیں

گذشتہ چند ہفتوں میں ملک معظم کی حکومت نے ایران گورنمنٹ کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ یورپ میں جرمنوں کے ہاتھوں کئی چھوٹے ملکوں کا کیا حشر ہوا ہے جنہوں نے یا تو نازی ففتھ کالم کو نظرانداز کیا یا یہ سمجھا کہ وہ ان کا مناسب انتظام کر سکیں گے۔

اور اب جب کہ جرمن روس کی جنگ میں جرمنی کا رخ کاکیشیا کی طرف ہو گیا ہے۔ ایسی صورت حالات میں ایران میں نازی ایجنٹوں کی سازشیں نہ صرف ایران کے لئے خطرناک ہیں۔ بلکہ ان سے مشرق وسطی کے ممالک عراق، شام اور خود ہندوستان کو اندیشہ ہو سکتا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر انگریزی حکومت نے نہایت دوستانہ طور پر ایران کی حکومت سے

درخواست کی کہ وہ واضح حالات کی روشنی میں اپنے ملک سے جرمنوں کی اکثریت کو نکال دے۔ یہ مطالبہ برطانیہ اور روس کی طرف سے متحدہ پیش کیا گیا۔ لیکن حکومت ایران نے بات ٹالنے کی کوشش کی اور صورت حالات کے خطرے کا احساس نہ کیا۔

یکایک ۲۵ راگست ۱۹۴۱ء کی صبح کو روسی فوجیں کاکیشیا کی طرف سے اور جنوب مغرب کی طرف سے برطانوی فوجیں مملکت ایران میں داخل ہونا شروع ہو گئیں۔ ایرانی فوج سے دو چار مقامات پر معمولی سی جھڑپ ہوئی۔ لیکن فوراً ہی اہل ایران روس اور برطانیہ کے پاک عزائم پر ایمان لے آئے اور انہوں نے جرمن ایجنٹوں کو اپنے ملک سے نکال دینا منظور کر لیا۔ لیکن اندیشہ یہ تھا کہ اگر ایران سے نازیوں کو نکال دیا گیا تو وہ کہیں اور فساد برپا کریں گے۔ لہٰذا ایران سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ وہ جرمن باشندوں کو گرفتار کر کے روس و برطانیہ کے حوالے کر دے۔ اس کے بعد نازی فتنہ کی جڑ کاٹنے کے لئے ایران سے کہا گیا۔ کہ وہ طہران میں اٹلی، رومانیہ، جرمنی، اور ہنگری کے سفارت خانے بند کر دے۔ ایرانیوں نے روس و برطانیہ کے یہ دوستانہ مشورے بھی منظور کر لئے۔ اب سوال یہ تھا۔ کہ ایران کا دروازہ نازیوں پر مستقل طور سے بند کرنے کے لئے کیا قدم اٹھایا جائے؟

اس کی بہترین صورت یہی قرار پائی کہ روس و برطانیہ دورانِ جنگ میں ایران کے بعض اہم مقامات اور پیٹرول کے چشموں پر قبضہ کر لیں۔ اس کے عوض برطانیہ اور روس ایران کی آزادی کا پورا پورا احترام مدِنظر رکھیں۔ اور اس کے اندرونی معاملات میں ذرہ بھر مداخلت نہ کریں گے۔ اور جنگ کے رفع ہوتے ہی ایران سے برطانوی اور روسی واپس بلالی جائیں گی۔ برطانیہ اور روس جو ایرانیوں کے امن و امان کی حفاظت کے لئے ایران گئے تھے۔ یہ کس طرح

گوارہ کر سکتے تھے۔ کہ اس بدنصیب ملک میں کشت و خون کا بازار گرم ہو۔ چنانچہ انہوں نے رضا شاہ پہلوی کو تاج و تخت سے دستبرداری کا مشورہ دیا۔ رضا شاہ اپنے شاہی محلات کو خیرباد کہہ کر اصفہان چلے گئے۔ اور ان کے ولیعہد شہزادہ محمد رضا نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر پارلیمنٹ میں اعلان کر دیا۔ کہ وہ صرف یہی نہیں۔ کہ وہ اپنے نامور باپ کی روش کے خلاف ایک مسلوب الاختیار آئینی بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کریں گے۔ بلکہ روس و برطانیہ کے ساتھ اشتراک ان کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین ہوگا۔

اس اعلان کے چند روز بعد سابق شاہ ایران رضا شاہ پہلوی معہ خاندان جنوبی امریکہ روانہ ہو گئے۔

غلام محی الدین بی۔ اے۔ مالک ہاشمی بک ڈپو نے مصری الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں چھپوا کر دفتر ہاشمی بک ڈپو ۱۶۴ انارکلی لاہور سے شائع کیا